فتاویٰ اہل حدیث جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمعہ کا بیان

جمعہ اور ظہر کیا یہ الگ الگ دو ہیں یا ایک

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء غیر مقلدین و مانع ظہر بعد الجمعہ اس مسئلہ میں کہ :-

۱- نماز جمعہ عین ظہر ہے یا غیر ظہر اگر عین ظہر ہے تو اس میں تخالف کیوں ہے مثلاً

(۱) غلام - مسافر - قیدی - عورت - نابینا - لنگڑا - بیمار - بیمار کی خدمت کرنے والا - جنازہ کرنے والا - بوقت بارش و بیابانی صحرائی پر جمعہ فرض نہیں مگر ظہر ان سب پر فرض ہے (۲) جمعہ بلا شرط خطبہ ادا نہیں ہوتا مگر ظہر بلا خطبہ ادا ہوتی

(۳) جمعہ بلا جماعت نہیں مگر ظہر اکیلے بھی درست ہے (۴) جمعہ بلا شاہ اسلام نہیں مگر ظہر بغیر اس کے فرض ہے

(۵) جمعہ اپنے وقت سے باہر فرض نہیں مگر ظہر اپنے وقت اور خارج از وقت برابر فرض ہے۔

(۶) جمعہ بغیر عذر کے ترک ہو جائے تو ایک دینار دینے سے معاف ہو جاتا ہے مگر ظہر کے لئے یہ شرط نہیں۔

(۷) جمعہ دو رکعت اور ظہر چار رکعت - ظہر میں قرأت آہستہ اور جمعہ میں بلند پھر اس پر حکم ظہر؟

(۸) نماز پنجگانہ روزانہ ہر مومن و مومنات پر فرض ہے یا نہیں۔ اگر فرض ہے تو کتنی رکعت؟

(۹) پانچ نمازیں پہلے فرض ہوئیں یا جمعہ - اگر پنجگانہ پہلے فرض ہوئیں تو بروز جمعہ ترک ظہر کے لئے کونسی دلیل ہے؟

(۱۰) اگر جمعہ پہلے فرض ہوا ہے تو قبل از فرضیت صلوٰۃ خمسہ حضور صلعم کہاں پر جمعہ ادا فرماتے تھے۔ اکیلے اکیلے یا جماعت کے ساتھ

(۱۱) بروز جمعہ ظہر فرض ہے یا جمعہ - اگر ظہر فرض ہے تو کتنے رکعت - اگر جمعہ فرض ہے تو کتنے رکعت - اگر جمعہ فرض ہے تو جس کو جمعہ نہ ملے تو وہ جمعہ پڑھے یا ظہر اگر جمعہ پڑھے تو اس کی دلیل تحریر ہو۔ اگر ظہر پڑھے تو کیوں؟ اس روز تو بقول آپ کے اس پر جمعہ ہی فرض نہ تھا - نہ ظہر فرض تھی۔

(۱۲) ہر نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے۔ اگر بقول آپ کے خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے تو اس میں توجہ قبلہ کیوں نہیں۔ اگر نماز مشرق کی طرف منہ کر کے پڑھیں تو کیا نماز ادا ہو جائے گی۔

(۱۳) اگر کسی کا نصف خطبہ ترک ہو جائے تو بعد سلام امام یا مقتدی ایک رکعت اٹھ کر ادا کرے یا نہیں۔

(۱۴) جمعہ کی ایک رکعت پانے والا بعد سلام امام مقتدی تین رکعت ادا کرے یا نہیں۔

(۱۵) جماعت ظہر میں ایک رکعت پانے والا بعد سلام امام مقتدی تین رکعت ادا کرے گا یا نہیں۔

(۱۶) جمعہ مشروط با شرائط ادا ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا ایک شرط کے فوت ہونے سے جمعہ ادا ہو جائے گا - یعنی فرض وقتی سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اگر مشروط نہیں تو کیا جہاں چاہے آبادی ہو یا جنگل سواری ریل ہو یا کشتی جمعہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔

(۱۷) جس مسجد میں جمعہ ہو چکا ہو۔ وہاں ایک دو نمازی بعد میں آئیں تو ظہر پڑھیں یا جمعہ۔ اگر جمعہ پڑھیں تو اذان و اقامت سے ادا کریں یا نہیں۔

یہ تمام سوالات ایک حنفی مقلد نے کئے ہیں۔

راقم محمد از کھیسا نوالی ڈاکخانہ مکتسر ضلع فیروزپور مورخہ ۲ شوال ۱۳۵۳ھ

جواب ۔ جمعہ کے عین ظہر ہونے سے کیا مراد ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ احکام میں فرق نہیں تو اس معنیٰ سے عین ظہر نہیں بلکہ غیر ظہر ہے۔ کیونکہ ظہر اور جمعہ میں کئی احکام میں فرق ہے چنانچہ سوال میں ذکر ہے اگرچہ سوال میں بعض ایسے احکام بھی ذکر ہیں جو صحیح نہیں جیسے بادشاہ کی شرط کرنا یا بلا عذر ترک کی صورت میں بغیر توبہ کے ایک دینار سے معاف ہو جانا لیکن بعض کی صحت میں کوئی شبہ نہیں جیسے خطبہ جماعت وغیرہ۔

اگر عین ظہر ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس سے ظہر ساقط ہو جاتی ہے تو بے شک صحیح ہے۔ دلیل اس کی قرآن و حدیث ہے۔ قرآن مجید میں ہے اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ۔ اس آیت میں نماز سے مراد بالاتفاق جمعہ کی نماز مراد ہے۔ شانِ نزول بھی جمعہ کی نماز میں ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ

یعنی جب نماز جمعہ سے فراغت ہو جائے تو زمین میں روزی کی تلاش کے لئے پھیل جاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن نماز ظہر نہیں۔ مشکوٰۃ وغیرہ میں بکثرت احادیث موجود ہیں کہ رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص تین جمعہ متواتر چھوڑ دے اس کے دل پر مہر ہو جاتی ہے۔ نیز اوپر کی آیت بھی دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کے دن نماز ضروری ہے۔ سب کاروبار چھوڑ کر نماز جمعہ کو حاضر ہونا چاہیے۔ پس جمعہ کے دن نماز ضروری ہوئی تو اب ظہر کا حکم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ چھ نمازیں فرض ہوں معاذ اللہ خدا ایسا نہیں کہ پچاس نمازوں کی پانچ کر کے چھ کر دے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے ندا آئی۔

امضیت فریضتی وخففت عن عبادی متفق علیہ (مشکوٰۃ باب المعراج)

یعنی میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی۔

اور بعض روایتوں میں مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ بھی آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا اب یہ بات میرے نزدیک بدلی نہیں جائے گی۔ پانچ نمازوں سے کم ہوں گی اور نہ زیادہ۔

اس تمہید کے بعد اب ہر سوال کا جواب نمبروار سنئے۔

احکام میں فرق ہونے کی وجہ سے جمعہ غیر ظہر ہے۔ اور ظہر ساقط ہونے کی وجہ سے نمازِ جمعہ عین ظہر ہے۔ سنّت ہو کرؤ سے تحیۃ المسجد ادا ہو جاتا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے تو ظہر اور جمعہ میں تو اتنا فرق نہیں۔ اس کا جمعہ سے ساقط ہونا معمولی بات ہے۔ ظہر کے ساقط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رات دن میں صرف پانچ نمازیں فرض ہیں چھ نہیں۔ چنانچہ اُوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو جواب نمبر ۱۱ میں آئی ہے۔

۱۔ روزانہ پانچ ہی نمازیں فرض ہیں۔ جمعہ کے دن پندرہ رکعتیں فرض ہیں اور باقی دنوں میں سترہ کیونکہ جب جمعہ سے ظہر ساقط ہو گئی تو ضرور ہے کہ جمعہ کے دن پندرہ رکعتیں فرض ہوں۔ ۹-۱۰ حدیث میں ہے کہ پہلے نماز - دو۲ - دو۲ رکعت فرض ہوئی۔ پھر ہجرت کے بعد چار رکعت ہو گئی اور سفر کی نماز اسی حالت پر رہی۔ اور خوف کی نماز ایک رکعت ہو گئی۔ بلوغ المرام میں ہے مغرب کی نماز چار رکعت نہیں ہوئی اس لئے کہ وہ دن کے وتر ہیں۔ اور فجر کی نماز بھی چار رکعت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس میں قرأت لمبی ہے۔ نیز ہجرت سے پہلے وضو کے فرض ہونے کی کوئی دلیل نہیں جس آیت سے وضو کی فرضیت ثابت ہوتی ہے وہ مدنی ہے۔ اس طرح سے آہستہ آہستہ نمازوں کے احکام میں فرق پڑتا رہا۔ اس فرق سے بعض نمازوں کے نام میں بھی فرق پڑ گیا۔ مثلاً نمازِ سفر، نمازِ خوف، نمازِ جمعہ وغیرہ۔

اب سوال میں نماز جمعہ کو نماز پنجگانہ سے الگ کر کے یوں سوال کرنا کہ نماز پنجگانہ پہلے فرض ہوئی یا جمعہ اس سے کیا مُراد ہے۔ اگر یہ مُراد ہے کہ نماز جمعہ نماز پنجگانہ سے الگ ہے تو یہ بالکل غلط ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ نمازِ خوف وغیرہ بھی الگ ہو کیونکہ معراج کی رات یہ قسمیں نہ تھیں۔ اور اگر یہ مُراد ہے کہ نماز جمعہ پانچ نمازوں میں داخل ہے۔ لیکن ظہر میں جمعہ کے دن کچھ تفصیل آنے کی وجہ سے جمعہ کے دن کی ظہر کو نماز جمعہ نام رکھ دیا تو یہ بالکل صحیح ہے لیکن اس صورت میں پہلے پچھلے کا سوال فضول ہے۔ اگر پیچھے ہوا اور حقیقت میں ہے بھی پیچھے کیونکہ آیت جمعہ پیچھے اُتری ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ عموماً عبادات میں ایسا فرق پڑتا رہا۔ دیکھئے زکوٰۃ مکہ میں فرض ہوئی لیکن سونا چاندی۔ اُونٹ، بکری کی تفصیل سے اور ہر ایک کا الگ نصاب یہ سب کچھ مدینہ میں ہوا۔ پہلے محرم کا روزہ تھا۔ پھر رمضان اُترا۔ جس میں روزہ کی جگہ فدیہ (ایک مسکین کو کھانا دینے) کا بھی اختیار تھا۔ پھر اس کے بعد روزہ رکھنا لازم ہو گیا۔ اس طرح سے بہت سے احکام بدلتے رہے۔ ٹھیک اس طرح ظہر میں کچھ کمی بیشی کر کے نماز جمعہ ہو گئی زید کا اگر ہاتھ کٹ جائے یا کوئی جگہ اس کی سُوج جائے یا بچہ سے جوان یا بوڑھا ہو جائے تو کیا وہ کوئی اور شخص ہو جایا کرتا ہے۔ یہ کیسا فضول سوال ہے جس کا نہ سر ہے نہ پیر ہے۔

۱۱۔ جمعہ کے دن جمعہ ہی فرض ہے لیکن اگر جمعہ نہ ملے تو ظہر پڑھے۔ مشکوٰۃ باب الخطبۃ والصلوٰۃ

میں حدیث ہے۔ جو جمعہ کی ایک رکعت پائے وہ دوسری ساتھ ملالے اور جس سے دونوں رکعتیں فوت ہوگئیں وہ چار پڑھے یا فرمایا ظہر پڑھے۔ اس کی مزید اور روایتیں بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو نیل الاوطار وغیرہ۔

۱۲۔ یہ ہم نہیں کہتے حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے کہ خطبہ دو رکعت کے قائم مقام کیا گیا ہے لیکن اس کے بعض احکام میں فرق کر دیا گیا ہے جیسے ظہر جمعہ میں فرق ہے کیونکہ دو رکعتیں ظہر کی کم کر کے ان کی جگہ خطبہ رکھنا اس سے مقصد یہ ہے کہ سامعین کو وعظ ہو۔ اور وعظ کی اصل صورت یہ ہے کہ سامعین کی طرف منہ ہو۔ اس لئے قبلہ رُخ ہونے کی شرط اڑا دی۔ جیسے صلوۃ خوف کی بعض صورتوں میں جس طرف منہ ہو۔ اسی طرف درست ہے۔ اس طرح سفر میں وتر اور نفل سواری پر جس طرف منہ ہو درست ہیں۔ اس طرح فجر کی نماز میں لمبی قرأت دو رکعت کے قائم مقام ہے لیکن لمبی قرأت ضروری نہیں۔ اس طرح صدقہ فطر روزہ کی کمی اور نقصان کو پورا کرتا ہے مگر احکام الگ ہیں۔ اور صدقہ فطر کے الگ اور نماز میں بھول کر پانچ رکعت پڑھی جائیں تو سجدہ سہو ایک رکعت کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سورہ بقر کی آخری دو آیتیں رات میں پڑھے تو قیام لیل کا کام دے سکتی ہیں۔ اسی طرح سورہ آل عمران کا آخری رکوع۔ حالانکہ قرآن مجید میں قبلہ رُخ ہونا شرط نہیں۔ غرض یہاں رائے قیاس کو کوئی دخل نہیں حکم کی تعمیل ہے جس طرح وارد ہوا اسی طرح کرتے جانا چاہیے۔ مومن کا کام آمنّا و صدقنا ہے نہ چون و چرا۔ اور اگر آپ ضرور کریدنی کرنا چاہتے ہیں تو اس کی مثال آپ یوں سمجھئے کہ تھانیدار کی عدم موجودگی میں تھانیدار کا کام منشی کرتا ہے حالانکہ ویسے ان میں بڑا فرق ہے

(۱۳۔۱۴۔۱۵) ان تینوں نمبروں کا جواب نمبر ۱۱ میں آچکا ہے۔

(۱۶) جو شرائط قرآن و حدیث میں آچکے ہیں وہ بسر و چشم منظور ہیں اور ان کے فوت ہونے سے جمعہ نہیں ہوگا جیسے جماعت۔ ہاں کسی شرط کی بابت حدیث میں آجائے کہ اس کے نہ پانے کی صورت میں بھی جمعہ ہو جائے گا تو اس صورت میں جمعہ ہو جائے گا جیسے نمبر ۱۱ میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے صرف ایک رکعت پائی نہ خطبہ پایا نہ پہلی رکعت میں شامل ہوا تو وہ ایک رکعت اور ملالے گو یا خطبہ فوت ہونے سے اس کے جمعہ میں فرق نہیں آیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے شافعیہ کہتے ہیں۔ رکوع میں رکعت ہو جاتی ہے حالانکہ ان کے نزدیک فاتحہ فرض ہے اور حنفیہ کے نزدیک بھی رکوع میں رکعت ہو جاتی ہے حالانکہ ان کے نزدیک قیام فرض رہ جاتا ہے۔ اگر وہ کہیں کہ جو تکبیر کہہ کر قیام کر کے امام کیساتھ ملتے ہیں تو یہ حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ امام کو جس حالت میں پاؤ اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اس لئے اگر امام سجدہ میں ہو تو کوئی شخص رکوع کر کے سجدہ میں امام

سے جائے تو اس کا نہ شافعیہ اعتبار کرتے ہیں نہ حنفیہ۔

(۱۰) نمبر ۱ میں اس سوال کا جواب آچکا ہے کیونکہ نمبر ۱ میں جو حدیث گذری ہے وہ عام ہے۔ ایک کو بھی شامل ہے زیادہ کو بھی۔ چنانچہ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ اِلَيْهَا اُخْرٰى وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْ قَالَ الظُّهْرَ۔

یعنی جو جمعہ کی ایک رکعت پائے وہ ساتھ دوسری ملائے اور جس سے دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں تو وہ چار پڑھے یا فرمایا ظہر پڑھے۔

اس حدیث میں کلمہ مَن ہے جس میں ایک بھی داخل ہے اور زیادہ بھی داخل ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں ہے۔

ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمومنین۔

یعنی بعض لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن آخرت پر لیکن حقیقت میں سب وہ ایمان والے نہیں

نوٹ:۔ جمعہ اور ظہر اور دیہات میں جمعہ کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو ہمارا رسالہ اطفاء الشمعہ ملاحظہ کریں۔

عبد اللہ امرتسری مقیم روپڑ

۲۲ مارچ ۱۹۳۳ء   ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

عورت الگ جمعہ پڑھا سکتی ہے

سوال:۔ عورتیں علیحدہ کسی کے گھر کسی عورت کی امامت میں جمعہ پڑھ سکتی ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں یا بعد کسی زمانہ میں عورتوں نے عورت کی امامت میں الگ جمعہ پڑھا ہو۔

جواب:۔ جمعہ کے متعلق خاص واقعہ ملنا تو بہت مشکل ہے۔ ہاں پانچوقتی نماز سے استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ جب ایک نماز میں ایک چیز ثابت ہو جائے تو سب نمازیں اس میں یکساں ہوتی ہیں جب تک کوئی مانع نہ ہو مثلاً پانچوقتی نماز جوتے کے ساتھ پڑھنے کا ذکر آجائے تو یہی جمعہ، عیدین، نماز کسوف وغیرہ کے لئے کافی ہے۔ اس کے لئے الگ واقعہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ متفقہ مسئلہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو بہت گڑبڑ ہو گی مثلاً رفع یدین آمین وغیرہ ایک نماز میں ثابت ہو جائے تو سب میں جاری ہو گا۔ نماز جمعہ وغیرہ میں ہمیں الگ دلیل

تلاش کرنے کی ضرورت نہیں یہ کم علم لوگوں کا کام ہے کہ بحثوں میں پڑ جاتے ہیں۔ خاص کر جمعہ تو پانچ وقتی نماز میں شامل ہے کیونکہ ظہر کے قائم مقام ہے تو اس میں عورت کی امامت بدعت نہیں ہو سکتی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی ۱۱۹

۱۱ ربیع الآخر ۱۳۷۸ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء

کیا اکیلے کا جمعہ ہو جاتا ہے

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ آدمی جنگل میں یا کھیت میں سخت ضرورت کے سبب گاؤں میں حاضر نہ ہو سکتا ہو تو اپنے کھیت میں اکیلا جمعہ پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

اوّل۔ عبداللہ بن عباس کا قول ہے۔ امام شوکانی رح کشف الغمہ میں لکھتے ہیں کہ ایک آدمی کا جمعہ ہو جاتا ہے ابن عباس رض سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی آدمی اکیلا اپنے کھیت میں جمعہ پڑھ لے تو کیا حکم ہے آپ نے فرمایا لا حرج ابن زبیر کے زمانہ میں عید و جمعہ اکٹھے آئے تو ابن زبیر جمعہ کو نہ آئے اکیلے پڑھ لیا۔

ابوداؤد و بخاری میں ہے کہ جمعہ کے دن بارش ہوئی تو ابن عباس رض نے مؤذن کو کہا کہ الصلوٰۃ فی بیوتکم کہو۔ شاید انہوں نے اپنے گھروں میں ہی جمعہ پڑھا ہو۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ وہ بکریوں والا جو پہاڑی پر رہتا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ جمعہ اکیلا پڑھ لیتا ہو۔

واختلفوا فی مصداق لفظ الجماعة قال الحافظ فی فتح الباری شرح البخاری فیه خمسة عشر مذهبا احدها تصح من الواحد نقله ابن حزم والیه ذهب القاشانی والحسن بن صالح۔ الخ دلیل آیت شریفہ کفرتم بعد ایمانکم ان نعف عن طائفة منکم نعذب طائفة بانهم کانوا مجرمین۔

اس آیت میں ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے جماعت فرمایا ہے۔ زید یہ دلیل پیش کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص اشد ضرورت والا اپنے کھیت میں یا اکیلا آدمی ہے۔ اس کے گاؤں میں بالکل جمعہ ہوتا ہی نہیں اور دوسری جگہ جا نہیں سکتا تو ایسی ضرورت میں اکیلا جمعہ کی تکبیر بلند کہہ کر بطور جماعت کے پڑھ لے تو جمعہ ادا ہو جائے گا۔

عمرو کہتا ہے کہ ایک آدمی کو مطلقاً ہرگز ہرگز جمعہ جائز نہیں۔ تمام اہل اسلام کے برخلاف ہے۔ اجماع کے برخلاف ہے۔ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی برخلاف ہے کیونکہ حدیث میں جماعت کا لفظ آیا ہے۔ دو ہوں تو جمعہ ہو

سکتا ہے اکیلا ہرگز نہیں پڑھ سکتا۔ فقط

سوال یہ ہے کہ زید و عمر دونوں سے حق پر کون ہے۔ اکیلا جمعہ پڑھ لیوے تو جمعہ ادا ہو جاتا ہے یا نہیں۔

صدر الدین قریشی چشتی

جواب۔ مشکوٰۃ میں ہے۔

عن طارق بن شهاب رضی قال قال النبی صلی الله علیه وسلم الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا علی اربعة عبد مملوك او امرأة او صبی او مریض رواه ابو داؤد وفی شرح السنة بلفظ المصابیح عن رجل من بنی وائل۔ (مشکوة باب وجوبها)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار کے سوا ہر مسلمان پر جماعت میں جمعہ حق واجب ہے صرف غلام عورت، لڑکا، بیمار اس حکم سے خارج ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت ضروری ہے۔

امام شوکانی رح نیل الاوطار میں لکھتے ہیں۔

لا مستند لصحتها من الواحد المنفرد واما من قال انها تصح باثنین فاستدل بان العدد واجب بالحدیث والاجماع ورأی انه لم یثبت دلیل علی اشتراط عدد مخصوص وقد صحت الجماعة فی سائر الصلوات باثنین ولا فرق بینها وبین الجماعة ولم یأت نص من رسول الله صلی الله علیه وسلم بان الجمعة لا تنعقد الا بکذا وهذا القول هو الراجح عندی (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۳۳)

یعنی اکیلے کے جمعہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور جو کہتے ہیں کم از کم دو کے ساتھ جمعہ ہو جاتا ہے انہوں نے دو پر کی حدیث اور اجماع سے استدلال کیا ہے۔ حدیث اور اجماع دونوں سے جماعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور کسی حدیث میں عدد کی تعیین نہیں آئی۔ اور باقی نمازوں میں دو کی جماعت ہو جاتی ہے تو جمعہ میں بھی ادنیٰ درجہ سے جماعت ہو جائے گی۔ اور میرے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

نیز امام شوکانی دراری المضیہ شرح درر البہیہ میں اور نواب صدیق الحسن روضۃ الندیہ شرح درر البہیہ میں لکھتے ہیں۔

لولا حديث طارق بن شهاب المذكور قريبا من تقييد الوجوب على كل مسلم بكونه في جماعة ومن عدم اقامتها صلى الله عليه وسلم في زمنه في غير جماعة لكان فعلها فرادى مجزئا كغيرها من الصواب (ص۲۵۹)

یعنی اگر طارق بن شہاب کی حدیث نہ ہوتی جس کو جمعہ کو جماعت میں واجب کہا ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ پڑھنے کا ذکر نہ ہوتا تو جیسے اور نمازیں اکیلے اکیلے ہو جاتی ہیں۔ جمعہ بھی اکیلے اکیلے جائز ہوتا مگر حدیث مذکور اور آپ کا ہمیشہ جماعت میں پڑھنا اکیلے کے جمعہ صحیح ہونے سے مانع ہے زید نے اپنے دعوے کے جتنے دلائل دیئے ہیں۔ ان سے ایک بھی اس بارہ میں صریح نہیں کہ اکیلے کا جمعہ ہو جاتا ہے۔ عید جمعہ کے اکٹھا ہونے کے دن ابن زبیرؓ کے جمعہ پڑھنے کا کہیں ذکر نہیں۔ پھر صحابی کا قول فعل حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں۔ اسی طرح بارش کی روایت میں اور پہاڑی پر رہنے والے کی حدیث میں جمعہ پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں پھر گھروں میں کئی آدمی ہوتے ہیں اکیلے ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

رہا ابن عباس کا قول جو کشف الغمہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے امام شوکانیؒ کے نزدیک صحت کو نہیں پہنچا۔ ورنہ نیل الاوطار کی عبارت میں جماعت کی شرط پر اجماع ذکر نہ کرتے۔ پھر یہ حدیث کے خلاف ہے اس لئے بھی اس کا اعتبار نہیں۔ اس کے علاوہ کشف الغمہ میں جو ابن عباس کا قول نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکیلے کا حقیقت میں جمعہ نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جو جمعہ نہ پاسکے وہ دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے اور چار بھی پڑھ سکتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک جس کو جمعہ نہ ملے اس پر چار رکعت ضروری نہیں۔ چنانچہ اصل عبارت یہ ہے۔

سئل ابن عباس عن رجل صلى الجمعة في بستانه فرادى فقال لا حرج اذا قام شعار الجمعة بغيرهٖ (کشف الغمہ ص۲۳۲)

یعنی ابن عباسؓ سے ایک شخص کی بابت سوال ہوا جو اکیلا اپنے باغ میں جمعہ پڑھے تو فرمایا کوئی حرج نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے بغیر جمعہ کا شعار قائم ہو۔ جمعہ کا شعار قائم ہونے کا مطلب یہ کہ باجماعت خطبہ کے ساتھ اس کے بغیر وہاں جمعہ ہوتا ہو تو اس صورت میں (بوجہ دوری کے باغ میں اکیلا پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

ـــــــــــــــــــ

لـه یہ لفظ کتاب میں یا کے ساتھ لکھا گیا ہے لیکن یہ غلط ہے صحیح با کے ساتھ ہے۔

اس عبارت کا مطلب صاف ہے کہ اس کی دو رکعت حقیقت میں جمعہ نہیں ورنہ اس کے بغیر جمعہ کے شعار قائم ہونے کی شرط قائم نہ کرتے۔ ابن عباسؓ نے یہ شرط اس لئے کی ہے کہ اس کے اکیلے خطبہ پڑھنے کا تو کچھ معنیٰ ہی نہیں۔ کیونکہ خطبہ خطاب سے ہے۔ جو مخاطب کو چاہتا ہے تو صرف دو رکعت بغیر جماعت کے ہوئیں پس جب یہ دو رکعت حقیقت میں جمعہ نہ ہوئیں تو یہ کہنا کہ ابن عباس کا مذہب ہے کہ اکیلے کا جمعہ ہو جاتا ہے یہ صحیح نہ ہوا بلکہ اس کا مآل اس طرف ہوا کہ جو جمعہ نہ پا سکے وہ جمعہ کے دن کتنی رکعت پڑھے۔ ابن عباسؓ کا مذہب ہے کہ دو پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اکثر علماء کہتے ہیں۔ چار پڑھے اور حدیث کی رو سے یہی صحیح ہے ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ باب الخطبہ)

اور زید کا یہ کہنا کہ جماعت کا استعمال ایک میں بھی ہوتا ہے یہ درست نہیں۔ جس کی کئی وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث ہے اثنان فما فوقهما جماعة۔ یعنی دو یا دو سے زیادہ جماعت ہیں اور بخاریؒ نے اس پر باب باندھا ہے۔

(دوم) جماعت کا لفظ اجتماع کو چاہتا ہے۔ ایک شے کے اجتماع کا کچھ معنیٰ نہیں۔ اور آیت مذکورہ میں طائفہ کا لفظ اجتماع کو نہیں چاہتا۔ اس لئے اس کا استعمال ایک میں بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے اصل معنیٰ ٹکڑے کے ہیں خواہ ایک شخص ہو یا زیادہ ہوں۔

(سوم) طارق بن شہابؓ کی حدیث میں جماعت کی شرط کرنا فضول جاتا ہے۔ اگر ایک کا جمعہ ہو جاتا، تو جماعت کے لفظ کی ضرورت نہ تھی۔

(چہارم) طارق بن شہاب کی حدیث میں کلمہ فی ہے جس کے معنیٰ اندر کے ہیں۔ اور اندر تبھی ہو گا جب کم سے کم دو ہوں۔ گویا ایک یہ ہوا اور ایک دوسرا ہو تو دونوں کے مجموعے سے جماعت بن گئی۔ اب ہر ایک کو اس جماعت کے اندر کہہ سکتے ہیں۔ جیسے نحوی کہتے ہیں۔ الکلام ما تضمن کلمتین۔ یعنی کلام وہ ہے جس کے اندر دو کلمے ہوں۔ حالانکہ کلام اصل میں دو کلموں سے مبنی ہے تو یہاں اندر کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اکیلا اکیلا کلمہ دو کے مجموعے کے اندر ہے۔ پس اسی طرح اس حدیث میں سمجھنا چاہیئے۔ اگر کوئی صاحب کہیں کہ فرشتے اور جن شریک ہو جاتے ہیں۔ اس سے جماعت کا حکم ادا ہو جاتا ہے جیسے بعض روایتوں میں اس شخص کی نسبت اللہ کے لشکر فرشتوں، جنوں کے شامل ہونے کا ذکر آیا ہے جو جنگل میں اذان دے کر نماز پڑھے۔ ملاحظہ ہو ترغیب منذری (باب الصلوٰۃ فی الفلاۃ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ثواب جماعت ہے جیسے حدیث میں آتا ہے کہ

رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے یعنی حج کا ثواب مل جاتا ہے نہ یہ کہ حج کا فرض اس کے ذمہ سے اُتر گیا۔ ٹھیک اسی طرح فرشتوں کے ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کا ثواب مل جاتا ہے نیز فرشتوں جنوں کا شریک ہونا یہ ایک باطنی معاملہ ہے۔ ظاہری احکام کا تعلق اس سے نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک شخص ہو تو وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ اس خیال سے پیچھے کھڑا نہیں ہو سکتا کہ فرشتے اور جن آملیں گے۔ اسی طرح کوئی شخص اکیلا صف کے پیچھے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جماعت سے فراغت کے بعد ایک شخص مسجد میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سے کوئی ہے جو ثواب حاصل کرے۔ یعنی اس کے ساتھ شامل ہو کر جماعت کرا دے تو حضرت ابوبکر رضہ کھڑے ہو کر شامل ہو گئے (منتقی مع نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۹)

اسی طرح اگر ہمارے احکام فرشتوں، جنوں سے تعلق رکھتے تو حضرت یا کسی اور کے ساتھ شامل ہونے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ابن عباسؓ نے شرط کی ہے کہ شعار جمعہ کسی اور سے قائم ہو۔ اگر فرشتوں اور جنوں سے جماعت کا حکم پورا ہو جاتا تو اس شرط کی ضرورت کیا تھی؟ اور حدیث میں بھی جماعت کے شرط کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیونکہ جب جن فرشتے شامل ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے شامل ہونے سے جماعت کا حکم پورا ہو جاتا ہے تو آپ کا یہ فرمانا فضول ہے کہ ہر مسلمان پر جماعت میں جمعہ واجب ہے۔ غرض جنوں، فرشتوں کا شامل ہونا ایک باطنی معاملہ ہے۔ ظاہری احکام کی بنا اس پر نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ کوئی شخص جنگل میں اذان دے کر نماز پڑھے تو اس کی حرص کی وجہ سے فرشتوں جنوں کا شامل ہونا اس کے لئے جماعت کے ثواب کا سبب بن جاتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں صبح کی نماز سے آفتاب نکلنے تک ذکر الٰہی کرنے والوں کے ساتھ بیٹھوں تو یہ میرے نزدیک اولادِ اسماعیل سے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ اسی طرح عصر سے مغرب تک فرمایا

(مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

حالانکہ کسی کے ذمہ غلام کا کفارہ ہو تو وہ اس ذکر سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک اسی طرح فرشتوں۔ جنوں کے شریک ہونے سے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے جماعت کا حکم ادا نہیں ہوتا۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ ۲۲ مئی ۱۹۳۳ء

گاؤں میں جوازِ جمعہ کے متعلق سوالات اور ان کے جوابات

سوال :- گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو ان پر اعتراضات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اگر جمعہ فرض ہے تو جمعہ مکہ میں فرض ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء میں کیوں جمعہ نہیں پڑھا۔ آپ نے ترک فرض کیوں کی۔

۲۔ آپ نے بوقت ہجرت قباء میں چند یوم قیام کیا۔ جمعہ وہاں نہیں پڑھا بلکہ مدینہ منورہ آکر پڑھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے دارالسلام یا خلیفۃ المسلمین کا ہونا ضروری ہے۔

۳۔ اگر جمعہ فرض ہے تو بارش کے دن ترک کی رخصت کیوں فرمائی۔ نیز جب عید کے دن جمعہ آجائے اُس دن ترک جمعہ کی کیوں رخصت ہے۔

۴۔ جس جگہ محدثین تمام صحاح ستہ میں جمعہ کا باب باندھتے ہیں تو وہاں بجائے فرضیت جمعہ کے وجوب جمعہ باب کیوں باندھتے ہیں۔ اور لفظ فرض سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ یہ مشعر ہے کہ جمعہ فرض نہیں۔

۵۔ حدیث میں آتا ہے الجمعة علی من آواہ اللیل اس کے بدون جمعہ نہیں۔ نیز ایک حدیث میں ہے لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع اور ایک حدیث میں ہے الجمعة علی من سمع النداء اگر گاؤں میں بھی آواز نہ آئے تو جمعہ ساقط ہے۔

۶۔ اگر گاؤں میں جمعہ فرض ہوتا تو حدیث شریف میں آیا ہے الناس ینتابون یوم الجمعة او کما قال پھر مدینہ میں جمعہ کے واسطے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ لوگ اپنے اپنے گاؤں میں جمعہ ادا کر لیتے اور حضور علیہ السلام نے ان کو کبھی حکم نہیں فرمایا کہ تم گاؤں میں جمعہ ادا کر لیا کرو۔ یہاں آکر جمعہ پڑھنے کی تکلیف نہ اٹھائیں۔

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع اور فتح مکہ کے وقت مکہ معظمہ میں قریباً اٹھارہ دن قیام کیا نہ آپ نے جمعہ پڑھا نہ لوگوں کو حکم دیا۔ اس کی کیا وجہ۔

جواب:۔ (۱) یہ شبہ جس روایت سے پیدا ہوا ہے اُس روایت کو حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں نقل کیا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو اسی روایت میں مذکور ہے کہ نبی علیہ السلام بوجہ عدم استطاعت ادا نہ فرما سکے۔ کیونکہ مکہ میں کفار کا زور تھا۔ اور اہل اسلام کمزور تھے۔ دُوسرا جواب یہ ہے کہ مکہ میں جمعہ فرض ہونے کی روایت ضعیف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

واختلف فی فرضیتها فالاکثر علی انها فرضت بالمدینة ومقتضی ما تقدم ان فرضیتها بالآیة المذکورة وهی مدنیة وقال الشیخ ابو حامد فرضت مکة وهو غریب۔ (فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۷۴)

یعنی صحیح یہی ہے کہ جمعہ مدینہ منورہ میں فرض ہوا۔ اور جو شیخ ابو حامد نے کہا ہے مکہ میں فرض ہوا۔ یہ غریب اور شاذ ہے۔

۲۔ آپ نے قبا میں قیام کیا لیکن جمعہ ادا نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ فرض ہی نہیں ہوا تھا۔ دوسرا یہ کہ نبی علیہ السلام پیر کے روز رونق افروزِ قبا میں ہوئے اور جمعہ کے دن وہاں سے چل پڑے۔ اگر قریب کے جمعہ کو روانہ ہوئے تو چار دن ہوتے ہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک اگر مسافر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو وہ مسافر ہی ہوتا ہے۔ اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔ اور اہل حدیث کے نزدیک بھی آج کل کا ارادہ ہو تو مسافر ہی ہے۔ اگرچہ ایک ماہ یا زیادہ کیوں نہ گزر جائے۔ اس لئے نبی علیہ السلام نے اپنے کو مسافر سمجھا اور جمعہ ادا نہیں کیا۔ خصوصاً جب کہ ایک ضروری شغل میں مشغول تھے یعنی مسجد کی بنا میں۔

۳۔ کسی سبب کی وجہ سے رُخصت عدمِ فرضیت پر دلیل نہیں۔ دیکھئے نماز ظہر، عصر، عشاء کی چار رکعت فرض ہے۔ اور سفر میں آسانی کے لئے دو رکعت فرض۔ تو کیا حضر میں بھی دو رکعت ہی فرض ہوگی۔ بارش و عیدین میں جمعہ کی رخصت بوجہ آسانی ہے نہ یہ کہ رخصت عدمِ فرضیت پر دلیل ہے۔

۴۔ محدثین کے نزدیک فرض واجب میں کوئی فرق نہیں حتیٰ کہ اصولیوں کے ہاں فرض واجب بسا اوقات ایک ہی ہے۔ ملاحظہ ہو تلویح حاشیہ توضیح۔ ثم المراد بالواجب ما اشتمل الفرض ایضا لان استعماله بهذا المعنیٰ شائع عنهم مثلا مطبوعه دار الاشاعت دیوبند) اس کے علاوہ محدثین کے سرتاج اپنی صحیح میں یُوں تبویب فرماتے ہیں۔ باب فرض الجمعہ اور صاحب ابن ماجہ نے بھی اس طرح باب باندھا ہے۔

۵۔ حدیث الجمعة علی من آواه اللیل اور الجمعة علی من سمع النداء یہ دونوں حقیقت ہیں۔ اور لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع حضرت علیؓ کا قول یعنی موقوف ہے جو مرفوع کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

۶۔ ایک نسخہ میں ینتابون یوم الجمعة ایک نسخہ میں الناس ینتابون لکھا ہے۔ اور یہی راجح ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ لوگ پے در پے جمعہ کے دن آتے تھے یعنی کچھ اب آئے کچھ تھوڑی دیر بعد آ گئے۔ لیکن آتے سب تھے۔ اور نبی علیہ السلام نے اُن کو اپنے اپنے گاؤں میں جمعہ ادا فرمانے کا حکم اس واسطے نہیں فرمایا کہ ایک مسائل دینی کی طرف اُن کا شوق زیادہ رہے گا۔ دُوسرا یہ کہ تعلیم کا زمانہ تھا تو ایک نعمتِ عظمیٰ تھی اس واسطے لوگ جوق در جوق پے در پے جمعہ کو آتے اور اپنے قلوب انوار فیہ سے منور کر کے واپس لوٹ آتے تھے۔

۷۔ حجۃ الوداع اور فتح مکہ میں جو آپ نے جمعہ ادا نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسافر تھے اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔ سکان اور احناف کے نزدیک رعیت امام کے تابع ہے اور اہل حدیث کے نزدیک بارہ میل مسافت پر قصر جائز ہے۔ اس لئے لوگوں کو بھی حکم نہیں دیا۔ ھذا مختصر اگر تفصیل مطلوب ہو تو ہماری کتاب الطفاء الشمعہ ملاحظہ فرمائیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ۹ اگست ۱۹۳۳ء

ایک شہر میں یا قریب کے دیہات میں متعدد جمعے

سوال :۔ قریہ واحد میں متعدد جگہ جمعہ پڑھنا اور خطبہ جمعہ میں بجائے تذکیر بالقرآن والحدیث محض سورۃ قرآنیہ و اشعار پنجابیہ جن میں مسائل ضعیفہ موضوعہ بطرز شاعر ہوتے ہیں۔ پڑھ کر اکتفاء کرنا اور جامع مسجد جو اکبر المساجد ہے اس میں حاضر ہو کر ذکر اللہ نہ سننا یہ طریق جائز و درست ہے یا نہیں۔

اس سوال کے جواب میں مولوی عبدالقادر حصاری نے تعدد جمعہ کے عدم جواز کی جو دلیل بیان کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے زمانہ میں جمعہ ایک جگہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اہل عوالی بھی جمعہ آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ لہٰذا ایک شہر میں یا قریب قریب دیہات میں الگ الگ جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔ اس سے پہلے یہ لکھا ہے کہ تعامل قرون ثلاثہ کا اس امر کی تصریح ہے کہ جہاں اقامت جمعہ ہو وہاں سب کے سب مسلمانوں کی جماعت یکجا ہو کر جمعہ پڑھے جہاں دو ہوں وہاں دو پڑھیں کیونکہ الاثنان فما فوقہا جماعۃ۔ یعنی دو یا دو سے زیادہ جماعت ہیں۔ جہاں دو سے زیادہ تین یا پانچ حتیٰ کہ پچاس یا سو یا دو سو یا ہزار تک ہوں گے۔ اس جماعت پر بحالت مجموعی جمعہ فرض ہوگا۔ فرداً گروہ ہو کر اپنے گھروں اور محلوں میں پڑھنا ناجائز ہوگا۔ بلکہ سب جماعت اسلامی کو جمعہ کی مسجد دوسری مسجدوں سے ممتاز اور ایک جگہ معین کرنی پڑے گی جس میں مسلمانوں کو ایک نماز پڑھنے سے پانچ سو نمازوں کا ثواب ملے گا۔ یہ نہیں کہ ہر محلہ میں جامع مسجد ہو گی کیونکہ جامع مسجد کا عطف عبادت حدیث میں محلہ کی مسجد پر ڈالا گیا ہے جو غیریت کو چاہتا ہے اور مفہوم ہوتا ہے کہ جمعہ ایک جا معین ہونا مشروع ہے اور جمعہ کے معنی بھی جمع ہونے کے ہیں کہ اس روز اہل اسلام کا اجتماع خاص ہوتا ہے۔ یعنی سب یکجا جمع ہوتے ہیں نہ مثل پنجگانہ کی کہ وہ اجتماع خاص نہیں ہے (ملخص)

جواب:۔ محدث نذیر حسینؒ فرماتے ہیں کہ بڑی دلیل تعدد جمعہ کے عدم جواز کی جو آپ نے پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے زمانہ میں جمعہ ایک جگہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اہل عوالی بھی جمعہ آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ سو یہ دلیل اس صورت میں مکمل ہو سکتی ہے کہ فعل سے شرط ہونا ثابت ہو جائے مگر ظاہر ہے کہ فعل شرط ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اگر شرط ہونے پر دلالت کرتا تو حضرت علی رضہ کمزوروں کو مسجد میں الگ عید پڑھانے کے لئے کسی کو مقرر نہ کرتے کیونکہ اس سے پہلے کمزوروں کی رعایت سے عید دو جگہ نہیں ہوتی مگر حضرت علیؓ نے دو جگہ کر دی۔ پس ثابت ہوا کہ ایک جگہ ہونا شرط نہیں۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ فعل شرط پر دلالت نہیں کرتا۔ ذوی الحلیفہ مدینہ سے سات میل ہے اور بعض عوالی آٹھ میل ہیں اور چار میل تک تو کثرت سے ہیں چنانچہ عون المعبود وغیرہ میں اس کی تفصیل ہے تو اب تین صورتیں ہیں کہ اتنی دور سے جمعہ کو آنا یا تو اس لئے ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں یا اس لئے کہ آٹھ میل تک تعدد جمعہ جائز نہیں یا وہ لوگ جمعہ پڑھنے فضیلت کے لئے آتے تھے۔ پہلی صورت صحیح نہیں کیونکہ گاؤں میں جمعہ صحیح ہے۔ اور دوسری بھی صحیح نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔

الجمعة علی کل من سمع النداء (ابوداؤد)

یعنی جمعہ ہر اس شخص پر ہے جو اذان سنے

اور قرآن مجید میں ہے۔

یا ایها الذین امنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله و ذروا البیع

یعنی اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف دوڑو۔ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

اِس آیت سے جمعہ کو آنا اُس وقت لازم ہوتا ہے جب اذان ہو جائے۔ اگر سات آٹھ کوس سے جمعہ کو آنا ضروری ہو تو پھر صبح سے چلنا ہوگا۔ حالانکہ یہ آیت کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری جز ۲ ص ۴۸۸

پس جب پہلی دو صورتیں صحیح نہ ہوئیں تو تیسری صورت متعین ہو گئی کہ فضیلت کے لئے آتے تھے پس ثابت ہوا کہ تعدد جمعہ جائز ہے۔

نیز مسلم میں حدیث ہے۔

کان الناس یتنابون الجمعۃ من منازلھم ومن العوالی (مسلم ص۲۸۰)

یعنی لوگ اپنے گھروں سے اور عوالی سے یکے بعد دیگرے جمعہ کو آتے تھے۔

اس حدیث میں عوالی سے آنے کا الگ ذکر ہے اور گھروں سے آنے کا الگ ذکر ہے۔ گھروں سے آنے والوں میں اہل مدینہ بھی شامل ہیں۔ جب اہل عوالی کا محض فضیلت کے لئے آنا ثابت ہوا تو تمام اہل مدینہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آکر جمعہ پڑھنا بھی محض فضیلت کے لئے ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک شہر میں بھی تعدد جمعہ جائز ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہنا کہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں دو جگہ جمعہ نہیں ہوا یہ ٹھیک نہیں کیونکہ حضرت علیؓ سے تعدد جمعہ ثابت ہے۔

رسائل الارکان میں ہے۔

ولنا ما صح عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر بتعدد الجمعۃ و ھذا الاثر صحیح صححہ ابن تیمیۃ فی منہاج السنۃ (رسائل الارکان ص۱۱۰)

یعنی امیر المومنین حضرت علیؓ نے تعدد جمعہ کا امر فرمایا۔ یہ روایت صحیح ہے۔ ابن تیمیہ نے اس کو منہاج السنۃ میں صحیح کہا ہے۔

نواب صاحب السراج الوہاج شرح ملخص صحیح مسلم میں لکھتے ہیں۔

فاما تعدد الجمعات فی مصر واحد فھذہ المسئلۃ قد اشتھرت بین اھل المذاھب وتکلموا فیھا وصنف فیھا من صنف وھی مبنیۃ علی غیر اساس ولیس علیھا اثارۃ من علم قط وما ظنہ بعض المتکلمین فیھا من کونہ دلیلا علیھا ھو بمعزل عن الدلالۃ وما اوقعھم فی ھذہ الاقوال الفاسدۃ الا ما زعموہ من الشروط التی اشترطوھا بلا دلیل ولا شبھۃ دلیل فالحاصل ان صلوۃ الجماعۃ صلوۃ من الصلوات یجوز ان تقام فی وقت واحد جمع متعددۃ فی مصر واحد کما تقام جماعات سائر الصلوات فی المصر الواحد ولو کانت المساجد متلاصقۃ ومن زعم خلاف ھذا کان مستند زعمہ مجرد الرای فلیس ذالک حجۃ علی احد وان کان مستند زعمہ الروایۃ فلا روایۃ ھذا ما افاد العلامۃ الشوکانی فی کتاب النیل

الحرار رحمۃ اللہ (السراج الوھاج ص۲۹۶)

یعنی ایک شہر میں تعدد جمعہ کا مسئلہ اہل مذاہب میں بہت مشہور ہے۔ اس میں انہوں نے بحث کی ہے۔ اور کتابیں لکھی ہیں اور یہ مسئلہ کسی بنیاد پر قائم نہیں نہ اس پر کوئی دلیل ہے اور جس کو بعض نے دلیل خیال کیا ہے وہ دلیل ہونے سے دور ہے اور اس قسم کے فاسد اقوال کے وہ صرف اس لئے قائل ہوئے ہیں کہ انہوں نے حسب زعم جمعہ کو کئی شرطوں سے مشروط کر رکھا ہے۔ حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دلیل کا شائبہ بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ جمعہ نمازوں سے ایک نماز ہے۔ اس کے جواز تعدد میں کوئی شبہ نہیں۔ جیسے باقی نمازوں کی متعدد جماعتیں جائز ہیں۔ اگرچہ مسجدیں قریب قریب ہوں اور جس نے اس کے خلاف خیال کیا۔ اگر اس کا اعتماد صرف رائے پر ہو تو یہ کسی پر حجت نہیں۔ اور اگر کسی روایت پر اعتماد ہو تو ایسی کوئی روایت نہیں جو تعدد کو منع کرے۔ علامہ شوکانی نے السیل الجرار میں اس طرح لکھا ہے۔

نواب صاحب اور علامہ شوکانی کے لکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ سب کا مل کر جمعہ پڑھنا کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ اگر یہ بات ہوتی تو اہل عوالی کو مدینہ آکر جمعہ پڑھنے کی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو کہہ سکتے ہیں کہ نبی علیہ السلام سے براہ راست وعظ سنتے اور احکام سیکھنے کے لئے آتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں تو بڑی وجہ فضیلت ہی بنتی ہے۔ پس نواب صاحب اور علامہ شوکانی فضیلت کی نفی نہیں کرسکتے بلکہ ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک جگہ پڑھنا شرط نہیں جیسے دوسری نمازوں میں یہ شرط نہیں۔ اگر کہا جائے کہ پانچ نمازوں کا ایک جگہ ہونا بھی فضیلت ہے تو پھر اہل عوالی اور مدینہ کی دوسری مسجدوں والے پانچوں نمازیں ایک جگہ کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ تو اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ دور دور سے ہفتہ میں ایک دفعہ اکٹھے ہونا تو معمولی بات ہے۔ روزمرہ اور وہ بھی پانچ وقت اس طرح اکٹھے ہونا مشکل ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے اپنی نمازوں سے کچھ گھروں میں کرو (مشکوٰۃ باب المساجد) یعنی فرض مسجدوں میں پڑھو۔ اور نفل گھروں میں۔ اس طرح خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ محلہ محلہ بھی اذان ہو اور جماعتیں قائم ہوں چنانچہ حدیث میں ہے۔

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف وان یطیب (مشکوٰۃ باب المساجد)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے اور ان کو صاف رکھنے اور خوشبو لگانے

کا ارشاد فرمایا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جمعہ کا ایک ہونا اگرچہ شرط نہیں لیکن وعظ وغیرہ کے اہتمام کے لئے سب کا ایک جگہ جمعہ پڑھنا ایک اہم امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانچوں نماز کی جماعت نہ ملے تو اکیلے کی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن جمعہ اکیلے کا نہیں ہوتا۔ پس جب جمعہ میں وعظ وغیرہ کی خاطر جماعت کا اہتمام زیادہ ہو تو اس میں اکٹھ کی اہمیت زیادہ ہوئی۔ اس لئے اہل عوالی اور مدینے والے دُور دُور سے آکر شریک ہوتے۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی اسی اہتمام کی وجہ سے ابو موسیٰ رضہ وغیرہ کو لکھا کہ جمعہ کے دن اکٹھے ہو جایا کرو۔ اور اہلِ قباء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد نبوی میں آنے کا ارشاد فرمانا اگر صحیح ثابت ہو جائے تو اس کی وجہ بھی یہی زیادت اہتمام ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمعہ کا ایک جگہ ہونا ایک اہم امر ہے اور اس کی فضیلت بڑی ہے لیکن شرط نہیں۔ راجح مذہب یہی ہے ہاں کوئی احتیاط کرے تو الگ چیز ہے۔ واللہ الموفق

عبداللہ امرتسری از روپڑ

۱۲ شعبان ۱۳۵۳ھ ۲۹ نومبر ۱۹۳۴ء

کیا خطبہ جمعہ نماز سے چھوٹا ہونا چاہیئے

سوال:۔ ایک صحابی جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہیں تو دوسرے صحابی رضہ فرماتے ہیں کہ آج کا تمہارا خطبہ نہایت فصیح و بلیغ تھا مگر مختصر ۔ اگر میں ہوتا تو اس کو بہت طول کرتا۔ اس کے جواب میں خطیب صحابی نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خطبہ جمعہ کو مختصر کرو۔ اور نماز کو طول کرو۔ اور یہ کہ خطبہ کو مختصر کرنا خطیب کی دانائی کی علامت ہے۔ لہذا جناب تحریر فرمائیں کہ مقدار وقت کے لحاظ سے صحیح طور سے خطبہ کس قدر ہونا چاہیئے۔ اور نمازِ جمعہ روزانہ ظہر کی نماز کے اوقات میں ہونی چاہیئے یا اس سے پہلے یا اگر دیر میں ہو تو یہ سب سنت کے مطابق نماز ہوگی۔ اور خطبہ مختصر کے ساتھ ہی نماز کو طول کرنے کے بیان کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اس سے یہ مطلب ہے کہ اگر نماز میں پچیس منٹ کی ہو تو خطبہ اس سے دو چار منٹ چھوٹا ہونا چاہیئے یا اس کے سوا کوئی اور مطلب ہو سکتا ہے۔ آج کل اکثر جگہ اہل حدیث میں یہ طریق رائج ہے کہ جمعہ کا خطبہ قریب قریب ایک گھنٹہ کے ہوتا ہے اور نماز آٹھ یا دس منٹ میں ہو جاتی ہے۔ کیا اس قسم کا خطبہ سنت کے مطابق ہوگا۔ اس مسئلہ کو وضاحت سے

بیان فرمائیں۔ اس سوال کا جواب مولوی عبدالرحمٰن مبارکپوری نے جو دیا وہ حسب ذیل ہے۔

جواب: احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ مختصر پڑھتے تھے اور کسی حدیث صحیح وصریح سے خطبہ جمعہ کا طویل پڑھنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔

عن جابر بن سمرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه کان لا یطیل الموعظة یوم الجمعة انما هی کلمات یسیرات۔

یعنی جابر بن سمرہ رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ کو طویل نہیں کرتے تھے۔ اور آپ کا خطبہ جمعہ صرف چند کلمات سہل اور آسان ہوتے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے۔

قال ابو وائل خطبنا عمار فاوجز وابلغ فلما نزل قلنا یا ابا الیقظان لقد ابلغت واوجزت فلو کنت تنفست فقال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول ان طول صلوة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فاطیلوا الصلوة واقصروا الخطبة۔

یعنی ابووائل رضہ نے کہا کہ حضرت عمار رضہ نے ہم کو خطبہ دیا جو مختصر اور بلیغ تھا۔ جب وہ منبر سے اُترے تو ہم نے کہا کہ اے ابوالیقظان آپ نے خطبہ نہایت بلیغ بیان فرمایا۔ مگر مختصر۔ پس اگر آپ خطبہ کو طویل کئے ہوتے تو خوب ہوتا۔ تو حضرت عمار رضہ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ آدمی کا نماز کو طویل کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کی دانائی کی علامت ہے۔ پس نماز کو طویل کیا کرو۔ اور خطبہ کو مختصر۔

یہ حدیث اگرچہ مطلق خطبہ کے بارہ میں ہے اور اس میں جمعہ کے خطبہ کی قید نہیں ہے لیکن یہ حدیث کے اطلاق سے خطبہ جمعہ کا بھی مختصر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور سائل نے جو اس حدیث کے ترجمہ میں خطبہ جمعہ کی قید لگائی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اور واضح رہے کہ حضرت عمار رضہ کی اس حدیث مرفوع میں مطلق خطبہ اور وعظ کا مختصر کرنا اور مطلق نماز طویل کرنے کا ذکر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ خطیب کو مطلق خطبہ جمعہ کا ہو یا غیر جمعہ کا مختصر دینا چاہیئے۔ اور مطلق نماز جمعہ کی ہو یا غیر جمعہ کی۔ طویل کرنی چاہیئے۔ میرے نزدیک اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ

نماز جمعہ کو بہ نسبت خطبہ جمعہ کے طویل کرنا چاہیئے اور خطبہ جمعہ کو بہ نسبت نماز جمعہ کے مختصر کرنا چاہیئے۔ نیز واضح رہے کہ اس حدیث میں اگرچہ مطلق خطبہ کے مختصر دینے کا حکم ہے مگر خاص ضرورت کے وقت طویل خطبہ دینا بھی غیر نماز جمعہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جب جماعت میں بوڑھے، ضعیف، بیمار لوگ موجود ہوں تو امام کو نماز میں تخفیف کرنے کا حکم ہے۔ الحاصل خطبہ جمعہ کا طویل پڑھنا حدیث سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نفی ثابت ہے۔ ہاں جابر بن سمرہ کی حدیث سے مطلق خطبہ کا متوسط ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے۔

عن جابر بن سمرة قال كنت اصلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فكانت صلوته قصدا وخطبته قصدا۔

یعنی جابر بن سمرہ رضہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز متوسط ہوتی تھی یعنی نہ بہت مختصر نہ بہت طویل آپ کا خطبہ بھی متوسط ہوتا تھا یعنی نہ بہت مختصر نہ بہت طویل۔

پس جابر بن سمرہ رضہ کی اس حدیث کے اطلاق سے خطبہ جمعہ کا بھی متوسط ہونا ثابت ہوتا ہے جو کچھ احادیث صحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے۔ وہ یہی ہے کہ زوال آفتاب کے بعد خطبہ شروع کرنا چاہیئے۔ اور مختصر یا متوسط خطبہ پڑھ کر نماز جمعہ پڑھنی چاہیئے۔

عبد الرحمٰن مبارکپوری

محدث روپڑیؒ

محدث روپڑیؒ نے فرمایا کہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب نے جواب میں بہت تفصیل کی ہے۔ اور تبلایا ہے کہ خطبہ چھوٹا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ خطبہ نماز سے چھوٹا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ عام وعظوں کی نسبت چھوٹا ہونا چاہیئے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کیونکہ ہفتہ کے بعد ایک دن اسی خاطر مقرر کیا گیا ہے۔ اگر آٹھ دس منٹ پر اکتفاء کی جائے تو بہت لوگ خطبہ سے محروم رہ جائیں گے۔ کسی کے وضو کرتے کرتے خطبہ ہو جائے گا کسی کے دو رکعت پڑھتے پڑھتے خطیب فارغ ہو جائے گا۔

مسلم میں حدیث ہے کہ جب خطبہ کی حالت میں کوئی آئے دو رکعت ہلکی پڑھ لے اگر خطبہ دو رکعت سے لمبا نہ ہو۔ تو اس حکم کی تعمیل مشکل ہے۔ نیز خطبہ کے دو حصے کر کے درمیان میں بیٹھنا یہ بھی چاہتا ہے کہ خطبہ نماز سے چھوٹا مراد نہیں کیونکہ یہ بیٹھنا راحت کا ہے۔

نیز مشکوٰۃ باب الخطبہ میں حدیث ہے کہ خطبہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی۔ اور بہت جوش میں آجاتے اور ظاہر ہے کہ ایسا جوش آٹھ دس منٹ میں پیدا ہونا مشکل ہے

نیز مسلم میں حدیث ہے۔ ابو رفاعہ کہتے ہیں۔ میں نے خطبہ میں سوال کیا کہ میں دین سے ناواقف ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر میرے پاس آئے۔ آپ کے لئے کرسی لائی گئی۔ آپ نے اس پر بیٹھ کر مجھے کچھ باتیں سکھائیں جو خدا نے آپ کو سکھائی تھیں پھر واپس آکر خطبہ پورا کیا۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کچھ لمبا ہوتا ہے اگر آٹھ دس منٹ ہوتا تو فارغ ہو کر ابو رفاعہ رضی اللہ عنہ کی حاجت روائی کرتے خطبہ توڑنے کی ضرورت نہ تھی۔

نیز مشکوٰۃ باب التنظیف میں حدیث ہے جب جمعہ کے دن نیند آئے تو اپنی جگہ بدل دے" اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ میں کچھ طول ہے کیونکہ نیند عموماً زیادہ دیر تک بیٹھنے سے آتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی تائید دارمی کی ایک حدیث اس بارہ میں صریح آئی ہے جو مع سند مندرج ذیل ہے۔

اخبرنا محمد بن حميد ثنا تميم بن عبد المومن ثنا صالح بن حيان حدثني ابن بريدة عن ابيه قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا خطب قام فاطال القيام فكان يشق عليه قيامه فاتى بجذع نخلة فحفر له واقيم الى جنبه قائما للنبي صلى الله عليه وسلم اذا خطب فطال القيام عليه استند اليه فاتكأ عليه فبصر به رجل كان ورد المدينة فرآه قائما الى جنب ذالك الجذع فقال لمن يليه من الناس لو اعلم ان محمدا يحمدني في شيء يرفق به لصنعت له مجلسا يقوم عليه فان شاء جلس ما شاء وان شاء قام فبلغ ذالك النبي صلى الله عليه وسلم فقال ائتوني به فاتوه به فامر ان يصنع له هذه المراقي الثلث او الاربع هي الآن في منبر المدينة فوجد النبي صلى الله عليه وسلم في ذالك راحة فلما فارق النبي صلى الله عليه وسلم الجذع وعمد الى هذه التي صنعت له جزع الجذع فحن كما تحن الناقة حين فارقه النبي صلى الله عليه وسلم فزعم ابن بريدة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم حين سمع حنين الجذع رجع اليه فوضع

يده عليه وقال اختران اغرسك فى المكان الذى كنت فيه فتكون كما كنت وان شئت ان اغرسك فى الجنة فتشرب من انهارها وعيونها فيحسن نبتك وتثمرفيا كل اولياء الله من ثمرتك ونخلك فعلت فزعم انه سمع من النبى صلى الله عليه وسلم وهويقول له نعم قد فعلت مرتين فقال النبى صلى الله عليه وسلم فقال اختاران اغرسه فى الجنة .

(باب اکرم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجنین المنبر)

یعنی ابن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو بہت دیر کھڑے کھڑے رہتے ۔ اور اس سے مشقت پاتے ۔ آپ کے لئے ایک تنہ کھجور کا لایا گیا اور گڑھا کھود کر ایک طرف کھڑا کیا گیا ۔ جب آپ خطبہ پڑھتے اور دیر تک کھڑے رہتے تو اس سے ٹیک لگا لیتے ۔ ایک شخص مدینہ میں آیا ۔ اس نے یہ حال دیکھ کر اپنے پاس کے لوگوں کو کہا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام کی شئے کو پسند کریں گے تو میں آپ کے لئے ممبر تیار کر دوں ۔ جتنی دیر چاہیں اس پر بیٹھیں اگر چاہیں کھڑے ہوں ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو اس کو بلا کر ممبر بنانے کو کہہ دیا ۔ جب ممبر تیار ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف دور ہو گئی ۔ اور آپ ممبر پر بیٹھے تو تنہ آپ کی جدائی میں رویا جیسے اونٹنی درد سے آواز نکالتی ہے ۔ آپ ممبر سے اتر کر تنہ کے پاس آئے اور اس پر اپنا ہاتھ رکھا ۔ اور فرمایا دو باتوں سے ایک بات پسند کر لے ۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے وہیں گاڑ دوں گا ۔ جہاں پہلے تھا اور پہلے کی طرح کھجور کا درخت ہو جائے گا اور اگر تو چاہے تو میں تجھ کو جنت میں لگا دوں ۔ اور جنت کی نہروں اور چشموں سے پانی پئے گا اور بہت عمدہ اُگے گا اور پھلدار ہو جائے گا اور تیرے پھل اور کھجور سے اولیاء اللہ کھائیں گے راوی بریدہ رضہ کہتے ہیں تنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سن کر دو مرتبہ کہا مجھے منظور ہے راوی نے حضور سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ۔ تنہ نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ میں اس کو جنت میں لگا دوں ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ بہت دیر تک قیام کرتے اور خطبہ میں طول دیتے ۔ پس خطبہ کے چھوٹا ہونے کا یہ معنیٰ لینا کہ خطبہ نماز سے چھوٹا ہو یہ کسی صورت صحیح نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ عام وعظوں کی نسبت خطبہ چھوٹا ہونا چاہیئے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۵ رمضان ۱۳۵۳ھ

کیا جمعہ فرض نہیں ہے

سوال:۔ ایک مولوی صاحب نے سوال کیا ہے کہ اگر جمعہ فرض ہوتا تو اس کی عدم ادائیگی پر قضاء لازم آتی۔ یعنی کسی آدمی کا جمعہ رہ جاتا تو وہ جمعہ کی قضا بھی کرتا۔ حالانکہ ایسا کوئی نہیں کرتا۔ ظہر پڑھتا ہے معلوم ہوا کہ جمعہ فرض نہیں۔

میں نے جواب دیا کہ اس کی فرضیت کتاب اللہ و سنت رسول اللہ و اجماع امت سے ہو چکی ہے۔ جو تمہارے ہی گھر کی کتابیں ثابت کر رہی ہیں۔ دوسرا اس کی فرضیت کے لئے جماعت شرط ہے جیسا کہ حدیث طارق بن شہاب رض الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة موجود ہے یعنی ہر مسلمان پر جماعت میں حق و واجب ہے اور شرط و مشروط لازم و ملزوم ہوا کرتی ہیں۔ جہاں شرط وہاں مشروط۔ جیسا کہ وضو نماز کے واسطے شرط ہے۔ بلا وضو نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک نفر کا جمعہ نہیں ہوتا کیونکہ جماعت کی شرط موجود ہے یہ جواب ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قضاء جمعہ کے متعلق جو کچھ آپ نے جواب دیا ہے نہایت موزوں ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ قضا اس شئے کی ہوتی ہے جس کا بدل نہ ہو مثلاً ظہار میں روزے نہ رکھ سکے تو اس کے عوض ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کا حکم ہے گویا کھانا روزوں کے قائم مقام ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس کا جمعہ رہ جائے اس کو ظہر کا حکم ہے کیونکہ ظہر اس کا بدل ہے۔ اب قضاء کی ضرورت نہیں۔ دواؤں میں بھی اگر ایک دوا نہ ملے تو بسا اوقات اس کا بدل دوسری دوا کام دے جاتی ہے۔

۔عبداللہ امرتسری روپڑ

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۲ جولائی ۱۹۳۵ء

مسئلہ جمعہ قبل از زوال

سوال:۔ جمعہ قبل از زوال درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس مسئلہ میں ائمہ دین میں سے امام احمدؒ اور امام اسحاق اور ان کے بعض اتباع بدلیل مفہوم احادیث صحیحہ و منطوق آثار صحابہ رض جواز کی طرف گئے ہیں۔ چنانچہ سید عبدالقادر جیلانی جمعہ کی نماز کا

قبل از زوال صحیح یا درست ہونا بدیں الفاظ ارشاد فرماتے ہیں۔

(ووقتها قبل الزوال فی الوقت الذی تقام فیه صلوٰة العید (غنیہ)

یعنی وقت جمعہ کا زوال سے پہلے وہی وقت ہے جس میں عید کی نماز ادا کی جاتی ہے۔

علماء اہل حدیث میں سے شیخ محی الدین مولف البلاغ المبین بحوالہ دراری المضیہ مجتہد یمانی امام شوکانی ؒ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ اور تحقیق وارد ہوئی وہ چیز کہ دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ تحقیق جمعہ پڑھنا کفایت کرتا ہے قبل زوال کے جیسا کہ بخاری میں روایت ہے۔ انس بن مالک سے اور مثل اس کی حدیث سہل بن سعد کی ہے صحیحین میں اور ثابت ہوا بیچ صحیح کے تشریح ہے کہ تحقیق صحابہؓ نماز پڑھتے تھے جمعہ کی قبل ڈھلنے سورج کے۔ پس تحقیق گئے ہیں طرف اس بات کی احمد بن حنبل اور حق یہی ہے (البلاغ المبین صـ۲۰)

سید علامہ نواب صدیق حسن خان مسک الختام میں فرماتے ہیں کہ حدیث جابر رضؓ بروایت مسلم دلیل واضح ہے۔ امام احمد کے مذہب پر اور مولانا وحید الزمان صاحب محدث حیدرآبادی شارح صحاح ستہ تیسیر الباری شرح صحیح بخاری میں حدیث انسؓ اور حدیث سہل بن سعد رضؓ کی دو دو توجیہیں بیان کرتے ہیں۔ ایک موافق مذہب امام احمدؒ کے دوسری موافق جمہور کے باب وقت الجمعہ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ہمارے امام احمد بن حنبل رحؒ کا یہ قول ہے کہ جمعہ زوال کے پہلے بھی درست ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضؓ اور ابوبکر صدیق رضؓ اور کئی صحابہ اور سلف سے ایسا منقول ہے اور حدیث حین تمیل الشمس کی تشریح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ آں حضرتؐ اکثر ایسا کیا کرتے مگر یہ نہیں ثابت ہوتا کہ زوال سے پہلے جمعہ درست نہیں

انوار اللغۃ حصہ دوم صـ۸۴ میں لکھتے ہیں کہ حنابلہ اور بعض اہل حدیث کے نزدیک جمعہ کی نماز زوال سے پہلے بھی درست ہے اور خلفاء راشدین سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ اور حصہ نہم صـ۴۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ محققین اہل حدیث نے اس کو جائز رکھا ہے خصوصاً جب گرمی کی شدت ہو یا کوئی عذر ہو۔

زبدۃ المرام ترجمہ عمدۃ الاحکام میں جس کی تصدیق حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیرآبادی نے فرمائی ہے حدیث سلمہ بن اکوع رضؓ کی تحت میں لکھا ہے کہ قبل از زوال جمعہ ادا کرنا بھی بعض کا مذہب ہے۔ امام احمد رحؒ اور امام اسحاقؒ بھی اس طرف گئے ہیں۔ الی قولہ حدیث میں غور کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بعض جمعہ مثلاً ہر دو خطبہ یا ایک یا بعض اس کا ضرور قبل زوال ہوتا تھا (صـ۷۰، کتاب مذکور)

مولوی سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم سرگروہ اہل حدیث کشمیر اپنی کتاب صلوٰۃ المحدثین میں لکھتے ہیں

کہ اے نمازی تجھے اختیار ہے کہ جمعہ چاہے زوال سے پیچھے پڑھ لے یا پہلے۔ اور نواب صاحب موعظۃ الحسنہ میں قبل از زوال نماز جمعہ کا ثبوت فرماتے ہیں۔ اور شوکانی صاحب نیل الاوطار میں اور ابن قیم رحمہ ہدی میں خوب وضاحت فرماتے ہیں۔ پس انہی جیسے بزرگوں کی شہادت پر اعتماد کر کے میرے والد ماجد رحمہ اللہ نے اس کو جائز مان لیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ اب اتنے بزرگوں کو العیاذ باللہ بے عقلی یا نادانی کی طرف منسوب کرنا اہل علم و عقل سے بہر اصل بعید ہے اور خلاف جمہور کا الزام دینے والا مسئول ہونے کے وقت بیسیوں مسائل میں خود ملزم ثابت ہو جائے گا (ابو البشیر عبد الغنی الشوبیانی)

محدث روپڑی

مولوی عبد الغنی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے کہ امام احمد رحمہ وغیرہ قبل از زوال جمعہ کے قائل ہیں اور بعض اہلحدیث بھی اس طرف گئے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے اور دلیل ان کی وہی روایات ہیں جن کی طرف اُوپر اشارہ ہو چکا ہے اس لئے اگر کوئی قبل از زوال جمعہ پڑھ لے تو اس پر طعن نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ اختلاف سلف کی حدود میں ہے ہاں احتیاط اسی میں ہے کہ بعد از زوال پڑھا جائے کیونکہ جمعہ فرض ہے اور فرض کا معاملہ نازک ہے اور جن احادیث سے امام احمد رحمہ وغیرہ استدلال کرتے ہیں۔ ان میں بعد از زوال کا بھی احتمال ہے اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور امام احمدؒ وغیرہ اگرچہ قبل از زوال کے قائل ہیں لیکن بعد از زوال کے بھی قائل ہیں تو گویا بعد از زوال متفقہ وقت ہے اور قبل از زوال اختلافی ہے اس لئے احتیاط بعد از زوال ہی میں ہے تاکہ فرض کی ادائیگی میں کوئی کھٹکا نہ رہے۔ عبد اللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۱۰ شوال ۱۳۵۴ھ ۱۷ جنوری ۱۹۳۶ء

جمعہ کے متعلق حنفیہ کے بارہ سوالات اور ان کے جوابات

سوال :- (۱) کیا نماز جمعہ ظہر ہے یا ظہر کا بدل

جواب :- جمعہ ایک لحاظ سے ظہر ہے ایک لحاظ سے ظہر کا بدل ہے۔ اگر یہ لحاظ کریں کہ جمعہ میں اور باقی دنوں کی ظہر میں فرق ہے تو اس کو بدل کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر یہ لحاظ کریں کہ بعض باتوں کے بدلنے سے اصل حکم نہیں بدلتا تو اس کو ظہر کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے سب نمازیں پہلے دو دو رکعت فرض ہوئی تھیں مدینہ میں آکر کئی چار رکعت ہو گئیں۔ اور پہلے نماز میں کلام جائز تھی پھر حرام ہو گئی۔ اسی طرح اور بہت سی باتوں میں فرق پڑ گیا۔ مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ معراج کی رات جو پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں وہ نہیں رہیں بلکہ ان کی جگہ پانچ نئی فرض ہو گئیں۔ ٹھیک اسی طرح جمعہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ البتہ باقی دنوں میں ظہر فرض ہے۔

سوال (۲) کیا نماز جمعہ صلوٰۃ خمسہ فرائضیہ میں سے ہے یا علیحدہ مستقل نماز۔ اس کی وجہ کسی حدیث صحیح سے ثابت کرو۔

جواب:۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ رات دن میں پانچ ہی نمازیں فرض ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ پانچ نمازوں میں سے ایک ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جمعہ کے دن چھ نمازیں فرض ہوں۔

سوال (۳) نماز جمعہ فرض مطلق ہے یا مقید۔ اس کی تعریف کسی دلیل شرعیہ سے کرو؟

جواب:۔ اگر مقید سے یہ مراد ہے کہ اس میں کوئی قید یا استثناء ہو تو سب نمازیں ایسی ہی ہیں مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واقیموا الصلوٰۃ۔ اس سے نفاس والی مستثنیٰ ہے یا یوں کہو کہ قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ سے بیمار مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کو قیام معاف ہے۔ اور اگر مقید سے یہ مراد ہو کہ باقی نمازوں کی قیود اور شروط کے علاوہ کچھ اور بھی ہوں تو اس لحاظ سے جمعہ میں مقید نہیں۔ کیونکہ جمعہ میں دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہیں۔ اور ظہر وغیرہ میں چار۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ جمعہ کی شروط گنتی میں باقی نمازوں سے زیادہ ہوں تو یہ سائل کی غلطی ہے کیونکہ اس کو مطلق مقید نہیں کہتے اس لئے کہ مطلق مقید میں داخل ہوتا ہے۔

سوال (۴) جس شخص کو نماز جمعہ باجماعت نہ مل سکے تو وہ کیا کرے۔ چار رکعت پڑھے یا دو۔ اس کی وجہ کسی حدیث صحیح سے ثابت کرو؟

جواب۔ چار پڑھے۔ کیونکہ کفایہ شرح ہدایہ اور ازالۃ الخفاء میں نقلاً عن مصنف ابن ابی شیبہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ خطبہ جمعہ قائم مقام دو رکعت ظہر کے ہے۔ پس ضرور ہوا کہ جس کا جمعہ رہ جائے وہ چار پڑھے۔

سوال (۵) نماز جمعہ کا اجراء مکہ مکرمہ میں ہوا یا مدینہ منورہ میں فرض ہوا ہے اور اس نماز کا حکم باقی نمازہائے فرائضیہ کے ساتھ ہوا یا بعد میں۔ اگر بعد میں ہوا تو اس کی وجہ کسی حدیث صحیح سے ثابت کرو کہ یہ حکم بعد میں کس بنا پر صادر ہوا۔

جواب:۔ جس کو عرف میں جمعہ کہا جاتا ہے وہ مدینہ منورہ میں فرض ہوا ہے کیونکہ اس کے سب دلائل مدنی ہیں۔ آیت بھی اور احادیث بھی۔ ہاں اصل ظہر مکہ مکرمہ ہی میں فرض ہو چکی تھی کیونکہ معراج کی رات پانچ نمازیں

فرض ہوئی تھیں۔ جن میں ظہر بھی داخل ہے اس کی دو رکعت کم ہو کر جمعہ بن گیا۔

سوال (۶) اگر فرض مطلق ہے تو اس سے عورت اور صبی (بچہ) اور مریض اور مسافر اور معذور کیوں مستثنیٰ ہے باوجودیکہ یہ نماز صرف دو رکعت ہے اور جو نمازیں کہ چار چار رکعت ہیں۔ اور ہر روز پانچ دفعہ پیش آتی ہیں۔ ان میں ان کی کیوں رعایت نہیں کی گئی۔ اگر فرض مقید ہے تو اس کی تشریح اس آیت سے کی جائے جس سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

جواب ۶۔ جواب نمبر ۳ میں گزر چکا ہے کہ مقید سے کیا مراد ہے۔ جب مقید کا معنیٰ متعین نہ ہوا تو مطلق جو اس کے مقابل ہے اس کا معنیٰ بھی متعین نہ ہوا۔ پس یہ سوال قابل جواب نہیں۔ ہاں اتنا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جمعہ کی قیود گنتی میں باقی نمازوں سے زیادہ ہیں۔ اور اس کے پڑھنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے خصوصاً جب کہ سب بستی کے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تھے تو اس حالت میں مشقت کے علاوہ بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ اس لئے حدیث میں ضعفاء کو اور ضرورت والوں کو مستثنیٰ کر دیا جن کا سوال میں ذکر ہے۔

سوال (۷) جمعہ کی فرضیت سورۃ جمعہ سے بیان ہوتی ہے لیکن مطابق تعریف لاشبہ فیہ کے چند شبہات اس میں ظاہر ہیں۔

شبہ نمبر (۱) یاایھا الذین امنوا میں حکم عام ہے تو اس حکم سے مذکورہ اشخاص عورت وغیرہ کیوں مستثنیٰ ہے؟

شبہ نمبر (۲) اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ میں من ظہر الجمعۃ نہیں آیا۔ ظہر کی مخصوصیت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ یوم سے مراد سالم دن ہوتا ہے۔

شبہ نمبر (۳) فاسعوا الی ذکر اللہ سے مراد خدا کو یاد کرنا ہے۔ یعنی ذکر بمعنی یاد کرنے کے ہے۔ چاہیئے تھا کہ فاسعوا الی صلوۃ الجمعہ درج ہوتا۔

شبہ نمبر (۴) وذروا البیع کا لفظ صاف ثابت کرتا ہے کہ یہ حکم صرف ان ہی نمازیوں کے واسطے تھا جو اس وقت بیع شراء کے خیال سے خدا کے ذکر کو چھوڑ کر مسجد سے نکل گئے تھے جو کہ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے تو اب ان شبہات سے معلوم ہوا کہ مطابق تعریف فرض کے یہ فرض مطلق نہ ہوا کیونکہ ہر ایک شے اپنی علامات سے پہچانی جاتی ہے۔

جواب (۷) پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک حدیث سے کتاب اللہ کی تخصیص ہو

سکتی ہے۔اس لئے عورت وغیرہ کی حدیث نے تخصیص کردی۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اہل براوری بالاجماع مخصوص ہیں تو یہ آیت عام مخصوص منہ البعض ہوگئی جو ظنی ہے پس حدیث سے تخصیص ہوگئی۔

دوسرے شبہ کا جواب بھی یہی ہے کہ حدیثوں میں ظہر کا وقت آگیا ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ فاسعوا الی ذکر اللہ میں صلوٰۃ کے لفظ کی ضرورت نہیں کیونکہ نودی للصلوٰۃ میں صلوٰۃ کا لفظ آچکا ہے۔

چوتھے شبہ کا جواب یہ ہے کہ خصوص مورد کا اعتبار نہیں۔عموم لفظ کا اعتبار ہے۔یہ اصولی مسئلہ ہے جس کو سائل نے سمجھا نہیں۔

رہی یہ بات کہ بیع سے کیا مُراد ہے۔سو اس کا سائل نے سوال نہیں کیا لیکن ہم جواب دے دیتے ہیں سو وہ یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ میں روایت ہے کہ شاید کہ ایک تمہارا بکریاں لے کر مدینہ سے ایک دو میل کے فاصلہ پر جا رہے پس گھاس مشکل سے ملے پھر ذرا اور دُور چلا جائے۔پس جمعہ کو حاضر نہ ہو پھر جمعہ آئے تو حاضر نہ ہو۔یہاں تک کہ اللہ اُس کے دل پر مُہر کر دے۔

اس حدیث سے اور اس جیسی اور احادیث سے معلوم ہوا کہ بیع سے عام کاروبار مُراد ہے صرف شانِ نزول کے لحاظ سے بیع کا لفظ بولا گیا ہے جیسے ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا میں شانِ نزول کے لحاظ سے تحصن کی شرط ذکر کر دی ہے۔

سوال (۸) اگر ایسے حکم سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے تو اور بہت سے احکام قرآن مجید میں موجود ہیں جن پر عملدرآمد نہیں کیا جاتا ہم وہ جملہ احکام مفصل بیان کر سکتے ہیں۔بشرطیکہ معترض کو ان کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہو۔

جواب:۔ اگر ایسے احکام ہوتے تو سائل ذکر پردہ نہ ڈالتا بلکہ ان کی تصریح کرتا۔

سوال (۹) اگر فرض مطلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہجرت کے بعد چند دفعہ چند مقامات پر جمعہ کیوں نہیں پڑھا۔معاذ اللہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فریضہ نماز کو ترک کر دیتے ہرگز نہیں۔

جواب:۔ جب مطلق مقید کی مراد ہی معین نہیں تو سوال فضول ہے پھر جن شروط کے ساتھ فرض ہے۔اگر چھوڑا ہوگا تو ان ہی میں سے کسی شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں چھوڑا ہوگا جیسا کہ حجۃ الوداع میں سفر کی وجہ سے ترک کیا تھا۔

سوال (۱۰) بالفرض اگر اس ملک میں نمازِ جمعہ ادا کی جائے تو اس کے بعد نمازِ جمعہ کیوں نہ پڑھی جائے۔ کیونکہ جمعہ نمازِ ظہر کا مسقط کسی طرح نہیں بن سکتا جمعہ اور ظہر میں اختلاف بہت ہے۔

اول یہ کہ جمعہ دو رکعت ہے اور ظہر چار رکعت

دوم ۔ جمعہ میں تین اذان شرط ہیں ۔ اور ظہر میں دو اذان ۔

سوم ۔ جمعہ معذوروں کو معاف ہے اور ظہر معاف نہیں ۔

چہارم ۔ جمعہ میں خطبہ شرط ہے اور ظہر میں نہیں ۔

پنجم ۔ جمعہ قبل از زوال بھی جائز ہے ، اور ظہر جائز نہیں ۔

ششم ۔ جمعہ صلوٰۃ خمسہ میں سے بروئے حدیث ایک علیحدہ نماز ہے اور ظہر علیحدہ نہیں ۔

جواب :۔ بعض باتوں میں فرق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالکل غیر ہو جائے ۔ چنانچہ نمبر اول میں گزر چکا ہے ، پھر حدیث میں ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں ۔ اگر جمعہ مسقط ظہر نہ ہو تو نمازیں چھ ہو جائیں گی ، اور اس حدیث سے مخالفت لازم آئے گی ۔

سوال (۱۱) جب کہ جمعہ کی فرضیت میں شک ہے تو مشکوک نماز فرض عین کا مسقط ہرگز نہیں ہو سکتی ۔

جواب :۔ جب فرضیت قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو شکوک چہ معنی دارد ۔

سوال (۱۲) آیت شریف کا سیاق اگر حدیث شریف بیان کریں ۔ تو اس قسم کی چند آیات مع حدیث کے ہم آپ کو بتلا سکتے ہیں جن پر آپ کا کوئی عملدرآمد نہیں ۔ اگر آپ جمعہ ادا کریں گے تو باقی احکام کی تعمیل بھی آپ پر فرض ہو گی ۔

جواب ۔ اگر ایسی آیات مع احادیث ہوتیں تو آپ بیان کرتے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ سائل ایسے فقروں سے بعض مفروضہ رعب ڈالنا چاہتا ہے ۔ ہاتھ پلے کچھ نہیں ۔ خیر اللہ معرفت دے اور ضد و عناد سے دُور رکھے آمین ۔

عبد اللہ امرتسری تیم روپڑ ضلع انبالہ

۹ صفر ۱۳۵۵ھ ۔ یکم مئی ۱۹۳۶ء

خطبہ کے وقت السلام علیکم

سوال :۔ خطیب خطبہ کر رہا ہو ۔ اس حالت میں السلام علیکم کہنا جائز ہے یا نہ ؟

جواب :۔ خطبہ میں السلام علیکم کہہ دے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس کے جواب سے خطبہ کا سماع فوت نہیں ہوتا۔ پھر اشارہ سے بھی جواب ہو سکتا ہے۔ حالتِ وضو میں بات چیت کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ کسی حدیث میں ممانعت نہیں آئی۔ ہاں فضول باتوں سے پرہیز چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۲۴ صفر ۱۳۵۶ھ ۱۶ اپریل ۱۹۳۷ء

فرضیّت جمعہ پر ایک شبہ اور اُس کا جواب

سوال :۔ عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقوم یتخلفون عن الجمعۃ لقد هممت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعۃ بیوتهم (رواہ مسلم مشکوٰۃ) یعنی میں نے ارادہ کیا کہ اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کے لئے حکم کروں اور خود جا کر ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

اس طرح کی حدیث جماعت کے بارہ میں بھی آئی ہے۔ وہاں کہہ دیتے ہیں کہ جماعت فرض نہیں۔ اب حدیث سے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جمعہ فرض نہیں۔ اس کا جواب تسلی بخش لکھیں۔

الراقم ویرووال افغانان ڈاکخانہ خاص ضلع امرتسر

جواب :۔ یتخلفون عن الجمعۃ والی حدیث مسلم باب فضل الجماعۃ میں موجود ہے۔ اور ہمارے نزدیک جمعہ جماعت دونوں فرض ہیں مگر اہم کام کے لئے فرض کا چھوڑنا جائز ہے۔ خاص کر جب اس سے مقصود اسی فرض کی تکمیل ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پہرے پر مقرر کیا۔ وہ صرف پہرے کی وجہ سے فجر کی نماز میں شامل نہیں ہوا بلکہ بغیر سخت مجبوری کے گھوڑے کی پیٹھ پر سے نہیں اُترا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو وہ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو خوشخبری دی کہ اس کے بعد اگر تو عمل نہ کرے تو ضرر نہیں۔ اس طرح نماز میں سکون فرض ہے لیکن بچہ کے رونے سے تشویش قلب کا خطرہ ہو تو بچہ کو اٹھا کر نماز پڑھ سکتا ہے بلکہ پڑھا سکتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی امامہ کو لے کر امامت کرائی۔ اس طرح تعلیم کے لئے آپ نے ممبر پر نماز پڑھائی۔ اور سجدہ ممبر سے نیچے اُتر کر کیا۔ اسی طرح ایک صحابی کے ہاتھ میں گھوڑا تھا مگر نماز پڑھی حالانکہ گھوڑا ان کو کھینچے لے جا رہا تھا۔ عبداللہ امرتسری روپڑ

کیا عورتیں الگ جمعہ پڑھ سکتی ہیں؟

سوال :- عہد نبوی میں صحابہ کرام و تبع تابعین و ائمہ دین کے زمانہ میں عورتیں مردوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں جمعہ یا دونوں عیدوں کی نماز پڑھا کرتی تھیں یا نہیں۔ تو اب جو عورتیں مردوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں جمعہ یا دونوں عیدوں کی نماز مردوں کی طرح خطبہ پڑھ کر پڑھتی پڑھاتی ہیں۔ ان کا یہ کام سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟ (دین محمد موضع سنانہ ضلع انبالہ)

جواب :- جمعہ کی نماز چونکہ پانچوقتی نمازوں میں داخل ہے اس لئے اس کا حکم پانچ نمازوں کا ہوگا۔ سوا ان باتوں کے جن کی خصوصیت حدیث نے کر دی ہے۔ جیسے جمعہ کے لئے ضروری ہے۔ پانچوقتی نمازیں اگر جماعت نہ ملے تو اکیلا بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس طرح جن جن باتوں کا ذکر احادیث میں آگیا ہے۔ ان میں نماز جمعہ باقی نمازوں سے ممتاز ہوگی۔ ان کے علاوہ سب باتوں میں نماز جمعہ کا حکم وہی ہوگا جو پانچ نمازوں کا ہے۔ اب پانچ نمازیں عورتوں کے لئے گھر میں بہتر ہیں۔ اگر دوسری جگہ پڑھیں تو جائز ہے خواہ کسی مرد کے ساتھ پڑھیں یا عورت کے ساتھ کیونکہ عورتوں کی امامت آپس میں صحیح ہے۔

رہا عید کا حکم تو اس کی تائید حدیث میں بہت آئی ہے تو اس لئے گھر میں نہیں پڑھنی چاہیئے بلکہ جہاں سب جاتے ہیں وہاں چلے جانا چاہیئے۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ۵ ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ - ۱۰ جون ۱۹۳۷ء

منبر محراب کے کس طرف رکھا جائے

سوال :- جس وقت امام خطبہ پڑھے اس وقت منبر کو کونسی جگہ پر رکھا جائے۔ محراب کے عین درمیان میں یا دائیں جانب۔

جواب :- مسجد نبوی میں منبر کی جگہ دائیں طرف ہے، اور منبر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھتے تھے جس کا مقام قریباً محراب کے سامنے پڑتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب ضرورت ادھر ادھر ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ۵ محرم ۱۳۵۷ھ

ایک گاؤں میں تعدد جمعہ

سوال :- ایک گاؤں میں تین جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے۔؟

جواب :- گاؤں اگر اچھا قصبہ ہے اور مساجد فاصلہ پر ہیں تو تعدد کی گنجائش ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضہ

سے مروی ہے ۔ اور اگر چھوٹا گاؤں ہے تو پھر جمعہ لگانے ، نفسانیت کا معاملہ ہے ۔ ضد سے تعدد ٹھیک نہیں ۔ بلکہ تعدد کی رخصت صرف ضرورت کی بنا پر ہے ۔ مثلاً مساجد ذرا فاصلہ پر ہوں ، ایک مسجد میں سب کی گنجائش نہ ہو کمزوروں کو وہاں پہنچنا تکلیف دہ ہو وغیرہ وغیرہ ۔ ویسے تعدد اور نفسانیت کی وجہ سے اچھا نہیں ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

دیہات میں جمعہ

سوال :۔ مفتی خیر المدارس ملتان کی طرف سے ایک فتویٰ موصول ہوا ہے جو حسب ذیل ہے ۔

"صورت مسئولہ میں چونکہ یہ گاؤں قریہ کبیرہ یا شہر نہیں " نماز باجماعت ادا کرنا ضروری ہے ۔ لہٰذا اس میں ادائیگی جمعہ جائز نہیں ۔ تبلیغ کی یہ صورت کر لی جائے لیکن نماز دو رکعت جمعہ کی بجائے چار رکعت ظہر ادا کر لی جایا کرے یا روزانہ صبح کو درس قرآن شریف کر دیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸/۷/م

الجواب صحیح ۔ عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مہر ۔ مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان

یہ فتوے آپ کی خدمت میں ارسال ہے مکمل حوالجات سے جواب تحریر فرمائیں ۔

(مہر خدا بخش اہل حدیث لونڈہ سید)

جواب :۔ گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے متعلق اس قسم کا ایک سوال موضع کنگنی تحصیل قصور ضلع لاہور کی طرف سے بھی آیا ہے ۔ افسوس ہے کہ دیوبندی حضرات نے دیہات میں جمعہ بند کرنے کی مہم چلا رکھی ہے ۔ ہمارے مقلد بھائیوں پر تقلید کا اثر غالب ہے ۔ اس لئے مفتی خیر المدارس نے بلا دلیل ہی جواب لکھ دیا ہے تاکہ لوگ تقلید پر ہی جمے رہیں ۔ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ روشنی کا زمانہ ہے اور ہر زمانہ کم و بیش روشنی کا ہوتا ہے ۔ اس لئے بغیر دلیل کے جواب لکھنا علماء کی شان کے خلاف ہے ۔ ساتھ ہی ایک اور بدعت کا اضافہ کر دیا کہ ظہر بھی پڑھی جائے اور خطبہ بھی ہو جیسے آج کل شہروں میں یہ بدعت جاری ہے کہ دو خطبے پڑھتے ہیں ۔ ایک پہلی اذان کے بعد اور دوسرا دوسری اذان کے بعد عربی میں ۔

اللہ تعالیٰ بدعات سے بچائے اور سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

اب گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے جواز کے دلائل ذیل میں پڑھیئے ۔

دلیل اول ۔ سورہ جمعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے

اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف دوڑو۔ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ سورہ جمعہ پارہ ۲۸

یہ آیت ہر ایمان والے کو شامل ہے۔ خواہ وہ شہر میں ہو یا گاؤں میں اور خرید و فروخت سے مراد ہر قسم کا کاروبار ہے۔ کیونکہ اگر خاص خرید و فروخت ہی مُراد ہو تو لازم آئے گا کہ جمعہ صرف خرید و فروخت کرنے والوں پر ہو۔ اور باقی کاروبار کرنے والے خواہ شہر میں ہوں یا گاؤں میں جیسے لوہار۔ بڑھئی۔ راج۔ مزدور کپڑا وغیرہ بننے والے کھیتی باڑی کرنے والے۔ باغات کے مالی وغیرہ یہ سب جمعہ سے سبکدوش ہوں۔

علاوہ ازیں قرآن مجید پارہ ۱۸ رکوع ۱۱ میں پانچ نمازوں اور زکوٰۃ وغیرہ کے ساتھ تجارت اور فروخت کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَوٰةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَوٰةِ

یعنی اللہ تعالےٰ کے بندوں کو تجارت اور خرید و فروخت ذکر الٰہی نماز اور زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔

اب غور فرمائیے۔ کیا باقی نمازیں اور زکوٰۃ وغیرہ صرف شہر والوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ہرگز نہیں۔ پس اسی طرح نمازِ جمعہ کو سمجھ لیں۔

دلیل دوم

ابُوداؤد میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا علی اربعة عبد مملوك او امرأة او صبی او مریض۔

یعنی ہر مسلمان پر (خواہ وہ شہر میں ہو یا قریہ میں) جمعہ واجب ہے جماعت میں مگر چار پر واجب نہیں)

۱۔ غلام (۲) عورت (۳) لڑکا (۴) بیمار

دوسری حدیث میں مسافر کا بھی ذکر ہے کہ اس پر بھی جمعہ نہیں۔

دلیل سوم

نسائی شریف میں ہے۔

رواح الجمعة واجب علی کل محتلم

یعنی ہر بالغ پر جمعہ کے لئے جانا واجب ہے۔

دلیل چہارم۔ بخاری اور ابُوداؤد میں ہے۔ ابن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ پہلا جمعہ مسجد نبوی کے بعد جو آ

میں پڑھا گیا ہے جو بحرین کے دیہات سے ایک گاؤں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ابن تین نے ابوالحسن اللخمیؒ سے روایت کیا ہے کہ جواثا شہر ہے۔ مگر جو نفس حدیث میں آگیا ہے وہ مقدم ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جواثا گاؤں ہو۔ اور ابوالحسن اللخمیؒ کے زمانہ میں اس کی آبادی بڑھ جانے سے یہ شہر ہو گیا ہو۔

نیز حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ جوہریؒ۔ زمخشریؒ اور ابن اثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ جواثا قلعہ کا نام ہے لیکن یہ گاؤں ہونے کے منافی نہیں کیونکہ عرب میں اُس وقت کوئی مستقل حکومت تو تھی ہی نہیں۔ جو لوگ زیادہ محفوظ تھے اُن کے گاؤں بھی قلعوں کی شکل کے تھے۔

دلیل پنجم

بخاری شریف میں ہے کہ زریقؒ اپنی زمین میں رہتے تھے اور وہاں حبشیوں وغیرہ کی ایک جماعت بھی رہتی تھی زریقؒ نے جو شہر ایلہ کے حاکم تھے ابن شہاب زہریؒ کو جو اُس وقت وادی القریٰ میں تھے لکھ کر مسئلہ دریافت کیا کہ میں اپنی زمین میں جمعہ پڑھوں۔ ابن شہاب زہریؒ نے اُن کو جمعہ پڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ حدیث لکھی۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته

یعنی تم سب راعی ہو اور اپنی اپنی رعیت سے پوچھے جاؤ گے

مطلب ابن شہابؒ کا یہ تھا کہ تو اس وقت امیر ہے۔ رعیت کی ہر قسم کی دینی و دنیوی ذمہ داری تجھ پر ہے جس سے جمعہ بھی ہے پس جمعہ پڑھنا چاہیئے۔

دلیل ششم

فتح الباری شرح بخاری میں ہے عبدالرزاق نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ مکہ مدینہ کے درمیان پانی پر اُترے ہوئے لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے اور اُن پر اعتراض نہ کرتے۔

دلیل ہفتم

حافظ ابن حجرؒ تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں کہ ابو رافع سے روایت ہے۔ ابوہریرہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا اور وہ بحرین میں تھے پس حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جَمِّعُوْا حَیْثُ کُنْتُمْ۔ یعنی جہاں ہو جمعہ پڑھو۔ یعنی جمعہ کی کسی جگہ کے ساتھ خصوصیت نہیں شہر ہو یا گاؤں سب جگہ جمعہ پڑھو جیسے قرآن مجید میں ہے۔

حیثما کنتم فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام

یعنی تم جہاں ہو نماز کے وقت قبلہ رُخ منہ کرو۔
ابن خزیمہؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اور بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت اچھی سند والی ہے۔

دلیل ہشتم

بیہقی میں ہے۔ ولید بن مسلم کہتے ہیں میں نے لیث بن سعدؒ سے دگاؤں میں جمعہ کی بابت ا سوال کیا تو فرمایا ہر شہر یا گاؤں میں جس جگہ جماعت ہو جمعہ پڑھنے کا حکم دئے گئے ہیں۔ کیونکہ اہل مصر اور گردو نواح کے لوگ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جمعہ پڑھتے تھے۔ اور ان میں کئی صحابہؓ بھی تھے۔ لیث بن سعدؒ نے اگرچہ صحابہؓ کا زمانہ نہیں پایا کیونکہ تبع تابعی ہیں مگر جن لوگوں میں جمعہ ہوتا تھا ان کو ملے ہیں۔ مصر کے رہنے والے ہیں نیز حنفیہ کے نزدیک مرسل تبع تابعی (جس میں تابعی اور صحابی کا ذکر نہ ہو) معتبر ہے (نور الانوار وغیرہ) اور اس میں صرف تابعی رح کا ذکر نہیں۔ پس یہ بطریق اولیٰ معتبر ہوگی۔ اس کے علاوہ رد المختار وغیرہ میں ہے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو یہ حدیث کی تصحیح ہے۔ پس لیث بن سعدؒ کے استدلال کرنے سے اس حدیث کی صحت ثابت ہوگئی۔ نیز یہ روایت باقی دلائل کی تائید ہے اور تائید میں تو تبع تابعی کا اپنا قول بھی معتبر ہے چہ جائیکہ اس کو صحابہؓ کی طرف نسبت کرے۔

دلیل نہم

گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے دلائل کتب حنفیہ میں بھی بہت ہیں۔ بطور نمونہ ایک حوالہ پڑھیئے۔ کبیری شرح منیہ میں ہے کہ یہ بات صحت کو پہنچ گئی ہے کہ ربذہ میں (جو مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے) حضرت عثمانؓ کے ایک غلام امیر تھے ان کے پیچھے دس صحابہ رضہ جمعہ وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ ابن حزمؒ نے محلی میں اس کا ذکر کیا ہے۔
اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے انہی دلائل پر اکتفاء کی ہے ورنہ دلائل اور بھی بہت ہیں جیسے بنی سالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ پڑھنا اور حرہ بنی بیاضہ میں صحابہ رضہ کا جمعہ پڑھنا اور یہ دونوں گاؤں مدینہ سے ایک ایک کوس (سوا میل) کے فاصلہ پر ہیں۔ پہلی روایت مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے احسن القریٰ صفحہ میں بحوالہ اہل سیر ذکر کی ہے۔ اور دوسری روایت مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اوثق القریٰ کے صفحہ میں بحوالہ ابوداؤد اور مولوی ظہیر الحسن نیموی رح نے جامع الآثار کے صفحہ ۱۳ میں بحوالہ ابن ماجہ ذکر کی ہے اسی طرح عمر بن عبد العزیز رح نے جنگل میں جمعہ پڑھا ہے اور انسؓ نے زاویہ میں نماز عید پڑھی اور زاویہ

بصرہ سے چھ میل دُور ہے۔ اور عید و جمعہ کا حنفیہ کے نزدیک ایک ہی حکم ہے۔

غرض اس قسم کے دلائل بہت سے ہیں جن کی تفصیل ہماری کتاب اللقاء الشمعہ میں ہے۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ، ۱۶ مئی ۱۹۶۳ء

غیر عربی میں خطبہ کا ثبوت

سوال نمبر۱۔ خطبہ جمعہ کی نسبت امام نووی اذکار صفحہ میں لکھتے ہیں ویشترط کونھا بالعربیۃ هکذا فی منهاج الطالبین صفحہ) اور شیخ الاسلام زکریا انصاری تحفہ المنہج صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں وشرط کونہما عربیتین اور اُن کے سوا اور علمائے شافعیہ فرماتے ہیں اور حنابلہ نے ایسا ہی لکھا ہے۔ اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی مصفی صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس کا رواج عربی میں ہمیشہ سے ہے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں

" وعربی بودن نیز بجہتہ عمل مستمر مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند۔

اب سوال یہ ہے کہ ان عبارات سے غیر لسان عرب میں خطبہ جمعہ پڑھنا ایک فعل محدث ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

نمبر۲۔ جتنے اُمور محدث کہے جاتے ہیں وہ اسی وجہ سے کہ وہ ازمنہ مشہود لہا بالخیر سے متوارث نہیں پس خطبہ جمعہ غیر لسان عرب میں جو ازمنہ مشہود لہا بالخیر سے متوارث نہیں ہے کیوں محدث نہیں کہا جاسکتا

نمبر۳۔ یہ اُردو خطبہ کس وقت سے جاری ہوا۔ اور کون اس کا موجد ہے۔

نمبر۴۔ یہ عربی خطبہ جو ہمیشہ سے جاری ہے۔ جس کو عوام نہیں سمجھتے ہیں شرعاً ادا ہو سکتا ہے یا نہیں۔

نمبر۵۔ نماز میں علاوہ دعاء ماثورہ اگر کوئی شخص اپنی زبان اُردو یا فارسی میں کوئی دعا پڑھے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔ دونوں شقوں کا جواب مدلل مطلوب ہے۔

جواب (۱)۔ ہر محدث کام بدعت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دین میں داخل ہو۔ اگر دین میں داخل نہ ہو تو وہ بدعت نہیں۔ جیسے علم معانی۔ بیان۔ عروض وغیرہ۔ دوسری شرط یہ

ہے کہ شریعت میں اس کا ثبوت نہ ہو۔ اگر شریعت میں اس کا ثبوت ہو تو وہ بھی بدعت نہیں۔ جیسے حضرت عمرؓ نے تراویح کی بابت فرمایا۔ نعمت البدعۃ ھذہ۔ یعنی یہ اچھی بدعت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز پڑھ کر فرضیت کے خوف سے ترک کر دی تھیں۔ اسی طرح تعدد جمعہ (یعنی شہر میں کئی جگہ جمعہ پڑھنے) کی بابت صحیح مسلک یہی ہے کہ درست ہے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایک ہی جگہ ہوتا رہا متعدد جگہ نہیں ہوا۔ اسی طرح خطبہ جمعہ کو بھی لینا چاہیئے۔ اگر کہا جائے کہ حضرت علیؓ سے تعدد جمعہ کی بابت مروی ہے کہ انہوں نے تعدد جمعہ کا حکم کیا۔ چنانچہ ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے منہاج السنہ میں ذکر کیا ہے۔ اس لئے یہ محدث نہ رہا۔ بخلاف خطبہ کے غیر عربی ہونے کی کونسی روایت ہے تو جواباً عرض ہے کہ خطبہ جمعہ غیر عربی میں ہونے کی بابت ارشادِ نبویؐ موجود ہے۔ مسلم وغیرہ میں حدیث خطبہ جمعہ میں ہے۔

یقراء القرآن ویذکر الناس (منتقی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو وعظ کرتے

اور ظاہر ہے کہ افہام (سمجھانا) نہ ہو تو وعظ ہی نہیں۔

اس کے علاوہ مسلم اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ کرتے تو آنکھیں سُرخ ہو جاتیں۔ غصہ سخت ہو جاتا۔ اور آواز بلند ہو جاتی۔ گویا کہ آپ فوج دشمن سے ڈرانے والے ہیں۔ جو کہتا ہے صبح کو تم پر آتیں شام کو آتیں۔

اسی بنا پر نواب صاحب روضۃ الندیہ کے صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں۔

ثم اعلم ان الخطبۃ المشروعۃ ھی ما کان یعتادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترغیب الناس وترھیبھم فھذا فی الحقیقۃ روح الخطبۃ الذی لاجلہ شرعت واما اشتراط الحمد للہ او الصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او قراءۃ شئی من القرآن فجمیعہ خارج عن معظم المقصود من شرعیۃ الخطبۃ۔ انتہی۔

یعنی مشروع خطبہ وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں کو رغبت دیتے اور ڈراتے۔ پس یہ درحقیقت خطبہ کی جان ہے جس کی خاطر خطبہ کا حکم ہوا۔ اور خدا کی تعریف

کی شرط اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی شرط اور قرآن مجید پڑھنے کی شرط اصل مقصود خطبہ سے خارج ہے جب اصل مقصود ہی لوگوں کو وعظ ہے تو مخاطب لوگوں کی زبان کا لحاظ ضروری ہوا بلکہ خود خطبہ کا لفظ بھی اسی کو چاہتا ہے۔ کیونکہ مخاطب سمجھتا نہ ہو تو اس کو مخاطب کرنے کے کچھ معنے ہی نہیں بعض لوگ جو خطبہ کو نماز پر قیاس کرتے ہیں۔ اور دلیل اس کی حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت پیش کرتے ہیں جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ۔ انما جعل الخطبۃ مکان الرکعتین یعنی خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے، تو یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ ایک شے کا دوسرے کے قائم مقام ہونا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر طرح اس کے حکم میں ہو جائے مثلاً بلوغ المرام میں حدیث ہے کہ نماز پہلے دو دو رکعت فرض ہوئی تھی۔ جب آپ نے ہجرت کی تو چار رکعت ہو گئی مگر سفر کی بدستور دو رکعت ہی رہی اور مغرب کی تین رکعت رہی کیونکہ وہ دن کے وتر ہیں اور فجر کی دو رہی کیونکہ اس میں قرأت لمبی ہے دیکھئے اس حدیث میں لمبی قراءۃ کو دو رکعت کے قائم مقام قرار دیا ہے حالانکہ دو رکعت جو زیادہ ہوئی ہیں وہ فرض ہیں اور فجر میں کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں بلکہ خود حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کیساتھ پڑھائی ہے ٹھیک اسی طرح خطبہ کو سمجھ لینا چاہئے کہ ہر حکم میں دو رکعت کے قائم مقام نہیں بلکہ بعض باتوں میں ہے۔ مثلاً ضروری ہونے میں نماز کی طرح ہے۔ یعنی خطبہ کے بغیر نماز جمعہ نہیں ہو سکتی یا جیسے نماز میں دوسرے سے بات چیت منع ہے اور کوئی فضول حرکت جائز نہیں اسی طرح خطبہ سننے کے وقت کسی سے کوئی بات چیت نہیں کر سکتا نہ کوئی اور فضول حرکت کر سکتا ہے یا جیسے نماز میں وضو ضروری ہے اسی طرح خطبہ میں با وضو بیٹھنا چاہئے تاکہ امام کے فارغ ہونے کے بعد وضو کرتے کراتے جمعہ نہ رہ جائے یا یہ مطلب کہ دو رکعت سے لمبا نہ ہو یا یہ مطلب کہ ثواب میں خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے یعنی ظہر کی نسبت جو دو رکعت کی کمی ہو گئی ہے ان کا ثواب خطبہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ غرض ساری باتوں میں خطبہ دو رکعت کے قائم مقام نہیں اگر ایسا ہوتا تو جو شخص خطبے میں شامل نہیں ہوا بلکہ نماز میں آکر ملا اس کا جمعہ نہ ہونا چاہئے بلکہ چار پڑھے کیونکہ اس کا خطبہ جو دو رکعت کے قائم مقام ہے رہ گیا ہے۔ حالانکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص جمعہ کی پہلی رکعت میں مل جائے اس کا جمعہ ہو جاتا ہے بلکہ دوسری رکعت پوری پالے تو بھی ایک ہی اور اٹھ کر پڑھے گا نہ تین۔ پس معلوم ہوا کہ خطبہ ساری باتوں میں دو رکعت کے قائم مقام نہیں نیز اگر ایسا ہوتا تو خطبہ کے ساتھ کسی کو یا خطیب کو کسی کے ساتھ بات چیت جائز نہ ہوتی حالانکہ یہ صریح احادیث کے خلاف ہے

۱۔ بخاری مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے ایک اعرابی آیا

اس نے کہا یارسول اللہ (قحط سالی سے) مال ہلاک ہو گئے۔ رستے بند ہو گئے۔ بارش کی دعا کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے ہاتھ اٹھائے اور بارش کی دعا کی۔ ایک ہفتہ تک برابر بارش ہوتی رہی دوسرے جمعہ پھر وہی یا دوسرا اعرابی آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہا یارسول اللہ (کثرت بارش سے) مال ہلاک ہو گئے اور رستے بند ہو گئے۔ دعا کیجئے اللہ تعالٰے بارش بند کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ اردگرد برسا ہم پر نہ برسا اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرتے جدھر جدھر اشارہ کرتے بادل پھٹتا جاتا یہاں تک کہ مدینہ ایسا ہو گیا جیسے تاج میں ہوتا ہے یعنی مدینہ خالی تھا اور اردگرد بادل تھا۔

(ب) نیز بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ خطبہ پڑھ رہے تھے اس حال میں ایک صاحب (حضرت عثمانؓ) آئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ کونسی گھڑی ہے یعنی اتنی دیر کر کے کیوں آئے۔ عثمانؓ نے کہا کہ میں ایک کام میں تھا اور اس سے فارغ ہو کر گھر میں نہیں پہنچا کہ اذان سنی۔ پس وضو کے سوا کوئی کام نہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ دوسرا قصور ہے کہ وضو پر کفایت کی۔

(ج) ترمذی۔ نسائی اور ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے حسن حسین رضی اللہ عنہما آئے۔ ان پر سرخ کرتے تھے۔ چلتے اور ٹھوکریں کھاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر ان کو اٹھا کر اپنے آگے رکھ لیا۔ پھر کہا اللہ تعالٰے نے سچ فرمایا انما اموالکم واولادکم فتنۃ (ترجمہ) یعنی تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ میں ان دونوں کو ٹھوکریں کھاتا دیکھ کر صبر نہیں کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات درمیان میں چھوڑ کر ان کو اٹھا لیا۔

(د) مسلم وغیرہ میں ہے ابو رفاعہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ میں نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یارسول اللہ صلعم ایک شخص مسافر ہے اپنے دین کے متعلق سوال کرتا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر میرے پاس آئے۔ پھر ایک کرسی لائی گئی مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس کے پائے لوہے کے تھے۔ آپ اس پر بیٹھ کر مجھے ان باتوں سے سکھاتے رہے جو آپ کو اللہ تعالٰے نے سکھائی تھیں۔ پھر (مجھ سے فارغ ہو کر) واپس آکر اپنا خطبہ پورا کیا۔

تلخیص الحبیر کے ص ۱۳۳ میں ہے۔

البیهقی من طریق عبد الرحمان بن کعب ان الرهط الذین بعثهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ابی الحقیق بخیبر لیقتلوہ فقتلوہ فقدموا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو قائم علی المنبر یوم الجمعۃ فقال لھم حین رآھم افلحت الوجوہ فقالوا افلح وجھک یا رسول اللہ قال اقتلوہ قالوا نعم فدعا بالسیف الذی قتل بہ وھو قائم علی المنبر فسلہ فقال اجل ھذا طعامہ فی ذباب سیفہ الحدیث قال البیہقی مرسل جید وروی عن عروۃ نحوہ ثم رواہ من طریق ابن عبد اللہ ابن انیس عن ابیہ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ابن ابی الحقیق نحوہ انتہی

یعنی بیہقی نے عبد الرحمان بن کعب کے طریق سے روایت کیا ہے کہ جس جماعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ابن ابی الحقیق (یہودی) کے قتل کے لئے بھیجا تھا اس جماعت نے اس کو قتل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ جمعہ کے دن منبر پر تھے جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا چہرے کامیاب ہوگئے ساتھیوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کا چہرہ کامیاب ہو۔ پس فرمایا کیا تم نے اس کو قتل کر دیا؟ کہا ہاں۔ پس منبر پر کھڑے تلوار۔ پھر تلوار میان سے نکال کر فرمایا ہاں تم نے اس کو قتل کر دیا تلوار کی دھار پر اس کا کھانا لگا ہوا ہے۔ بیہقی نے کہا یہ حدیث مرسل ہے کھری ہے۔ اور عروہ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے پھر عبد اللہ بن انیس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابن ابی الحقیق کی طرف بھیجا۔

(و) بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص (سلیک غطفانی) جمعہ کے دن آیا اور آپ خطبہ پڑھ رہے تھے، وہ بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا کھڑا ہو اور دو رکعت ہلکی پڑھ۔

(ح) ابوداؤد و نسائی و مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص لوگوں کی گردنوں پر سے گذرتا ہوا آگے آرہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جا تو نے ایذا دی۔ اور مسند احمد میں ہے تو نے ایذا دی اور دیر کی (منتقی)

(ز) بخاری مسلم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف نکلتے پہلے نماز پڑھتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور لوگ اپنی اپنی جگہ پر ہوتے پس ان کو وعظ کرتے اور

وصیت کرتے اور حکم دیتے اگر کسی لشکر بھیجنے کا ارادہ کرتے یا کسی اور شے کا حکم دینا ہوتا تو فرما دیتے پھر لوٹ جاتے

یہ سات روایتیں ہیں اس قسم کی اور بھی بہت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کا حکم نماز کا نہیں بلکہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے جو ہر زبان میں درست ہے۔ اس میں ہر قسم کی بات چیت ہو سکتی ہے اس کو درمیان چھوڑ کر کوئی دوسرا کام کرکے پھر پورا کر سکتے ہیں۔ ابو رفاعہؓ کو آپ نے خطبہ چھوڑ کر دین سکھایا۔ حسن حسین رضی اللہ عنہما منبر سے اترے اور لا کر آگے بٹھا لیا۔ صرف اتنی بات ہے کہ خطبہ جمعہ کی بابت تاکید بہت آئی ہے کہ سامعین توجہ سے سنیں اور کوئی فضول حرکت نہ کریں تاکہ کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ کان میں وعظ کی آواز پڑے جس سے دل نرم رہیں اگر ایسا نہ ہو تو دل مُردہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ خطبہ عیدین کے لئے اتنی تاکید نہیں آئی پس جب خطبہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے۔ صرف خطبہ جمعہ میں ایک خاص وجہ سے سُننے کی تاکید ہے اور خطبہ عیدین میں یہ بھی نہیں تو پھر اس کو نماز پر قیاس کرنا کیوں کر صحیح ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک بات ہے کہ جب لشکر وغیرہ بھیجنے کا کلام خطبہ میں درست ہے تو یہ مخاطب لوگوں کی زبان میں ہی ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان کی پابندی ضروری ہے۔ غرض نماز پر خطبہ کا قیاس بالکل صحیح نہیں کیونکہ خطبہ خطاب ہے اور خطاب پر پابندی زبان کی اصل مقصود کو فوت کرتی ہے جو خطاب سے مقصود ہوتا ہے یعنی سامعین کو اپنی بات پہنچانا۔ برخلاف نماز کے کہ وہ خطاب نہیں بلکہ مقصود اس سے خدا کا ذکر اور قراءۃ قرآن پاک ہے۔ چنانچہ مسلم وغیرہ میں حدیث ہے۔

ان هذه الصلوٰة لا يصلح فيها شئ من كلام الناس انما هي التسبيح والتكبير
وقراءة القرآن ۔

یعنی نماز میں بات چیت درست نہیں (یہاں تک کہ چھینک لینے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا بھی جائز نہیں)

کیونکہ نماز صرف تسبیح تکبیر قراءۃ قرآن ہے یعنی اصل مقصود یہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں جو قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو اس حیثیت سے نہیں پڑھا جاتا کہ وہ مقتدیوں کو خطاب ہے بلکہ اس طرح سے پڑھا جاتا ہے کہ جیسے کسی کو محبوب کا کلام پیارا معلوم ہوتا ہے تو اس کا ورد کرتا ہے یا جیسے پڑھنے والے سے خدا باتیں کرتا ہے اور وہ اپنے کو ان کا مصداق سمجھتا ہے جس سے اس کے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے بعض احادیث میں جو بعض نمازوں کی بابت خاص خاص سورتوں کے پڑھنے کا ذکر آیا

ہے جیسے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۃ سجدہ اور سورۃ دہر اور جمعہ کی نماز میں سورہ ھل اتاك یا سورہ جمعہ اور سورہ منافقون اور عیدین کی نماز میں سورۃ قٓ اور سورہ اقتربت اور سورہ اعلیٰ اور سورہ ھل اتاك اور جمرات کو مغرب کی نماز میں قل یاایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد تو اس کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کے پڑھنے سے پڑھنے والے کے اعتقاد کی اصلاح ہے یا اس کو رقت اور نرمی زیادہ پیدا ہوتی ہے اور اس کے دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے اور اس سے مقتدیوں پر بھی خاص اثر پڑتا ہے اور نماز میں بھی خشوع خضوع بڑھتا ہے اور دل زیادہ لگتا ہے بلکہ اگر کوئی شخص نماز سے باہر امام کی قرات سن لے تو اس کی بھی یہی حالت ہوگی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نماز سے اصل مقصود کیا ہے دوسرے کو وعظ ہے یا اپنی حالت کی اصلاح ظاہر ہے کہ اپنی حالت کی اصلاح ہے برخلاف خطبہ کے کہ اس میں دوسرے کو وعظ خطاب مقصود ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث میں بعض سِرّی نمازوں کی بابت اور بعض نوافل کی بابت بھی خاص سورتوں آیتوں کا ذکر آیا ہے حالانکہ وہاں دوسرے سے تعلق نہیں جیسے مشکوٰۃ باب القراءۃ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں سورۃ والّیل اذا یغشیٰ پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے سورۃ سبح اسم ربك الاعلیٰ آتی ہے اور فجر کی سنتوں میں آیت قولوا امنّا باللہ وما انزل الینا اور آیت قل یا اھل الکتاب تعالوا پڑھا کرتے تھے تو گویا یہ ایسا ہوگیا جیسے نماز کے علاوہ خاص خاص وقتوں میں اپنی اصلاح کے لئے خاص خاص آیتوں اور خاص خاص سورتوں کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے جیسے سوتے وقت آیۃ الکرسی اور سورہ سجدہ، سورہ ملک اور وہ سورتیں جن کے شروع میں سبّح یا یسبّح ہے اور جمعہ کے دن سورۃ کہف سورۃ ہود اور سورۃ آل عمران وغیرہ اور ہر روز شروع دن میں سورہ یٰسٓ اور ہر رات آخر رکوع آل عمران اور سورۃ واقعہ وغیرہ وغیرہ۔ پس نماز اور خطبہ کی اصل غرض دیکھتے ہوئے کوئی شخص خطبے کو نماز کا حکم نہیں دے سکتا۔ اور نہ نماز کو خطبے کا حکم دے سکتا ہے بلکہ نماز کی ہیئت ہی وعظ کی ہیئت کے خلاف ہے۔ چنانچہ گذر چکا ہے کہ خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور بہت جوش اور بہت غصہ میں آجاتے اور آواز بلند ہو جاتی جیسے کوئی دشمن کی فوج سے ڈراتا ہے کہ تمہیں صبح کو لوٹ لیا یا شام کو لوٹ لیا۔ نماز کی حالت ایسی نہیں بلکہ وہ عاجزی اور انکساری کی حالت ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں عبد اللہ بن شخیرؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کے پیٹ میں ہنڈیا کے پکنے کی آواز تھی اور ایک روایت میں ہے میں نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا آپ کے سینہ کی آواز چکی کی آواز تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ادھر ادھر گردن

مڑنا دیکھنا منع ہے نیز نماز کی ہیئت قیام اور نیچے اوپر ہونا اور مقتدیوں کا اس میں امام کی تابعداری کرنا یہ بھی وعظ کے خلاف ہے کیونکہ خطبہ اور دیگر وعظ کلام میں سامعین کی ایسی حالت ہوتی جیسے کسی کے سر پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے اور وہ اس کو پکڑنا چاہتا ہو چنانچہ مشکوٰۃ میں برا بن عاذب سے روایت ہے

جلسنا حولہ کان علی رؤسنا الطیر

یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سر پر پرندے ہیں پھر عذاب قبر کا حال سُنایا۔

خلاصہ یہ کہ خطبہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے خواہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا ہو خطیب کو اس میں کلام وغیرہ جائز ہے۔ زبان کی پابندی اس میں ضروری نہیں کیونکہ خطبہ کی غرض کے خلاف بلکہ خطبہ کے لفظ کے خلاف ہے کیونکہ خطبہ خطاب ہے جو سامعین کی زبان میں ہوتا ہے، نماز پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے۔ کیونکہ نماز مناجات ہے خطبہ مناجات نہیں۔ خطبہ کی ہیئت عام وعظوں کی ہے نماز کی اس طرح نہیں۔ خطبہ میں کلام وغیرہ جائز ہے، نماز میں جائز نہیں۔ صرف خطبہ جمعہ کے سننے کی تاکید آئی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دل کی کھیتی کو پانی ملتا رہے تاکہ خشک نہ ہو جائے۔

اعتراض

اگر کہا جاوے کہ غیر عربی میں خطبہ پڑھنا خیر قرون کے خلاف ہے چنانچہ سائل نے شاہ ولی اللہ صاحب سے نقل کیا ہے کہ ہمیشہ سب جگہ خطبہ عربی میں ہوتا رہا اور جو بات خیر قرون کے خلاف ہو اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہ ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ خیر قرون کے خلاف اس وقت ہوتا جب خیر قرون سے کسی کا اس پر فتوے نہ ہوتا۔ جب خیر قرون سے بعض اس طرف گئے ہیں کہ خطبہ غیر عربی درست ہے چنانچہ امام ابوحنیفہ رح صاحب کا یہی مذہب ہے اور امام شافعی رح کے مذہب میں دو وجہیں ہیں۔ ایک جائز ہونے کی اور ایک ناجائز ہونے کی تو اس کو خیر قرون کے خلاف نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کو خیر قرون کے اختلافی مسائل سے سمجھ کر دلائل سے راجح مرجوح کا فیصلہ کریں گے سو دلائل کی رُو سے راجح یہی ہے کہ غیر عربی میں درست ہے۔ علامہ زبیدی شرح احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔

وهل يشترط كون الخطبة كلها بالعربية وجهان الصحيح اشتراط فان لم يكن من يحسن العربية خطب بغيرها ويجب عليهم التعليم

والاعصوا ن لاجمعة (شرح احیاء العلوم ص۲۳۶ جلد۳)

یعنی خطبہ کے عربی ہونے کی بابت دو وجہیں ہیں (ایک یہ کہ عربی میں ہونا شرط ہے دوسری یہ کہ شرط نہیں)، صحیح یہ ہے کہ شرط ہے پس اگر کوئی اچھی طرح عربی نہ جانے تو غیر عربی میں خطبہ پڑھے اور لوگوں پر عربی کا سیکھنا واجب ہے ورنہ گنہگار ہو جائیں گے اور ان کا عجز نہیں۔

شرح احیاء العلوم کے دوسرے مقام میں ہے۔

قال الرافعی وھل یشترط ان تکون الخطبة کلھا بالعربیة وجھان والصحیح اشتراطه فان لم یکن فیھم من یحسن العربیة خطب بغیرھا وقال اصحابنا ان الخطبة بالفارسیة وھو یحسن العربیة لا یجزیه (شرح احیاء العلوم جلد۳ ص۲۳۳)

یعنی رافعی کہتے ہیں کہ خطبے کے عربی ہونے میں دو وجہیں ہیں (ایک یہ کہ عربی میں شرط ہے دوسری یہ کہ شرط نہیں)، صحیح یہ ہے کہ شرط ہے پس اگر کوئی ٹھیک عربی نہ جانتا ہو تو وہ غیر عربی میں خطبہ دے اور [illegible]

ان دونوں عبارتوں میں امام شافعیؒ کے مذہب میں دو وجہیں بتلائی ہیں (ایک عربی میں ضروری ہونے کی اور ایک غیر ضروری ہونے کی)، مذہب میں وجہ سے فقہاء کی مراد یہ ہوتی ہے کہ صریح قول امام کا اس بارے میں کوئی نہیں، امام کے اقوال سے یہ بات سمجھی جاتی ہے۔ کبھی امام کے اقوال سے دو باتیں سمجھی جاتی ہیں تو وہ مذہب میں دو وجہیں ہو جاتی ہیں۔ جیسے خطبہ کے عربی ہونے اور نہ ہونے کی بابت دو وجہیں ہیں۔ شرح احیاء العلوم میں اگرچہ عربی میں ضروری ہونے کی وجہ کو صحیح کہا ہے لیکن درحقیقت صحیح دوسری ہے چنانچہ اوپر دلائل سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ خطبہ غیر عربی میں درست ہے پس جب امام شافعیؒ کے مذہب میں یہ ایک وجہ ہوئی تو اس کو خیر قرون کے خلاف نہیں کہہ سکتے کیونکہ امام شافعی تبع تابعین سے ہیں اور تبع تابعین خیر قرون سے ہیں۔

رد المختار میں ہے۔

لم یقید الخطبة بکونھا بالعربیة اکتفاء بما قدمه فی باب صفة الصلوٰة من انھا غیر شرط ولو مع القدرة علی العربیة عنده خلافا لھما حیث شرطاھا الا عند العجز کالخلاف فی الشروع فی الصلوٰة (رد المختار جلد اول ص۵۹۰)

یعنی مصنف نے خطبہ کے عربی میں ہونے کی قید نہیں لگائی کیونکہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں گذر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شرط نہیں خواہ عربی پر قادر ہی ہو۔ برخلاف صاحبین کے کیونکہ ان کے نزدیک

عربی میں ہونا شرط ہے مگر عربی سے عاجز ہو تو پھر صاحبین کے نزدیک بھی غیر عربی میں جائز ہے۔ جیسے شروع نماز (تکبیر تحریمہ) میں امام ابوحنیفہ صاحب اور ان کے شاگردوں کا اختلاف ہے کہ عربی میں جائز ہے یا نہیں (ایسے ہی یہ اختلاف ہے)

امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی بابت بعض کا خیال تو تابعی ہونے کا ہے لیکن تبع تابعین سے ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں تو جب ان کا فتوٰے خطبہ کے غیر عربی ہونے کی بابت موجود ہے تو اس کو خیر قرون کے خلاف کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ پس یہ سلف کے اختلافی مسائل سے ہوا جس کا فیصلہ دلائل کی رُو سے یہی ہے کہ خطبہ غیر عربی میں درست ہے چنانچہ اُوپر تفصیل ہو چکی اور جو لوگ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے نزدیک درست تو ہے لیکن مکروہ ہے۔ تو یہ غلط ہے کیونکہ وہ صرف اس بناء پر کہتے ہیں کہ خیر قرون سے کسی نے غیر عربی میں پڑھا نہیں۔ ورنہ امام ابوحنیفہ سے کراہت کی تصریح منقول نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ خیر قرون میں غیر عربی میں کسی نے پڑھا نہیں اس میں بھی شبہ ہے کیونکہ جب فتوٰے دیا گیا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ کسی نے عمل کے لئے سوال کیا ہوگا کیونکہ خیر قرون میں تکلف نہیں تھا کہ فرضی صورتیں گھڑا کریں اور نہ ان کی یہ شان تھی بلکہ واقعات پیش آنے کی صورت میں بھی بہت ان سے ایسے تھے کہ احتیاط کرتے اور مسئلہ نہ بتاتے اور ایک دوسرے کا سہارا لیتے یعنی یہ چاہتے کہ کوئی دوسرا مسئلہ بتلا دے چنانچہ اعلام الموقعین وغیرہ میں اس قسم کی روائتیں بہت ہیں۔ پس صرف صراحۃً نقل نہ ہونے سے عمل کی نفی سمجھ لینا اور جو بات قرین قیاس ہو اس کو نظر انداز کر

لہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ساری فارسی اردو وغیرہ میں جائز ہے چنانچہ ہدایہ وغیرہ میں ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ نماز میں قرآن پڑھنے کا حکم ہے۔ فارسی وغیرہ میں ترجمہ قرآن نہیں کیونکہ قرآن عربی ہے نہ فارسی وغیرہ اس لئے امام ابوحنیفہ کا یہ قول قابل تسلیم نہیں اس لئے صاحب ہدایہ نے اس قول سے امام ابوحنیفہ صاحب کا رجوع صاحبین کے قول کی طرف نقل کر کے لکھا ہے وعلیہ الاعتقاد یعنی اس امر پر اعتقاد ہے لیکن رجوع کی روایت چونکہ صحت کو نہیں پہنچی اس لئے صیغہ تمریض (ضعف) کے ساتھ ذکر کی ہے چنانچہ لکھا ہے ویروی رجوعہ یعنی امام ابوحنیفہ صاحب کا رجوع روایت کیا جاتا ہے۔ اور اعتقاد اس پر اس لئے ظاہر کیا ہے کہ پہلا قول دلیل کی رو سے قابل تسلیم نہیں اسی طرح باقی اذکار نماز کی بابت امام ابوحنیفہ کا قول قابل تسلیم نہیں کیونکہ خطبہ کے غیر عربی ہونے کی بابت تو حدیث ویذکر الناس وغیرہ آئی ہے بلکہ خود خطبہ کا لفظ اسی کو چاہتا ہے نماز کی بابت کوئی حدیث نہیں آئی نہ اس کا لفظ اس کو چاہتا ہے۔

دینا یہ مناسب نہیں۔ اس کے علاوہ جب ایک بات کی بابت خیر قرون میں فتوے ہو گیا اور فتوے میں کراہت کا ذکر آیا تو صرف عمل نہ ہونے سے کراہت کہنا ذہول غلطی ہے۔ دیکھئے تراویح با جماعت پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں عمل نہیں ہوا پھر حضرت عمرؓ کی شروع خلافت میں بھی عمل نہیں ہوا اس کے بعد ہوا۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے اس کو بدعت کہا۔ چنانچہ گذر چکا ہے اور تعدد جمعہ پر حضرت علیؓ کی خلافت تک عمل نہیں ہوا۔ چنانچہ یہ بھی گذر چکا ہے۔ اور علاوہ خطبہ جمعہ اور خطبہ عیدین کے بھی غیر عربی میں وعظ پر عمل خیر قرون میں صحیح سند سے مروی نہیں ہوا۔ اسی طرح خیر قرون میں کسی نے کوئی تصنیف غیر عربی میں نہیں کی، نہ کسی نے تفسیر غیر عربی میں لکھی نہ کوئی اور دینیات کی کتاب غیر عربی میں لکھی بلکہ خیر قرون کے بعد بھی مدت تک غیر عربی میں تصنیف کرنے کا ثبوت نہیں ملتا جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عربی کا اس وقت زور تھا کیونکہ سلطنت اسلامی تھی۔ دین و دنیا سب کچھ عربی میں تھا۔ زور اور کثرت میل جول سے اتنا اثر ضرور ہو گیا تھا کہ اگر غیر عرب عربی بولنے پر قادر نہ تھے تو اکثر کم از کم سمجھ لیتے تھے اس لئے غیر عربی میں تصنیف کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ یہی وجہ بعینہٖ خطبہ وغیرہ کی ہو سکتی ہے۔ اور ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ امام جمعہ اور عیدین عموماً اس وقت امیر ہوتے تھے تو ان کے خیال میں خطبہ عربی میں بہتر یا ضروری ہو تو اس وجہ سے وہ عربی میں پڑھتے رہے۔ اور جن کے نزدیک مخاطب کا لحاظ رکھنا مناسب تھا ان کو امیر بننے کا اتفاق نہ ہوا یا یہ وجہ ہو کہ عربی زبان کی اس وقت ابھی پوری حفاظت نہیں ہوئی تھی اس لئے حتی الوسع وہ غیر عربی سے دور رہتے تھے تاکہ عربی کا زور ہو کر اس کی پوری حفاظت ہو جائے اور اس کے ہر قسم کے قواعد بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر ان کی توجہ ملکی زبانوں کی طرف رہتی تو آج یہ عربی زبان کے قواعد اور اس کی حفاظت کا یہ نظارہ نصیب نہ ہوتا جو دیکھ رہے ہیں کہ خدا کے فضل سے کوئی زبان قواعد میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی بلکہ جو کچھ تھوڑے بہت قواعد دوسری زبانوں کے تیار ہوئے اس کی خوشہ چینی میں ہوئے غرض اس قسم کے بہتیرے وجوہ اس وقت خطبہ کے عربی میں پڑھنے کے ہو سکتے ہیں جو اس وقت نہیں پس غیر عربی میں اس وقت کسی نے خطبہ نہیں پڑھا تو کوئی حرج نہیں عمل کا اصل جو ہمارے ہاتھ میں موجود ہے یعنی فتوے اس سے سب عقدے حل ہو سکتے ہیں۔

دوسرا ثبوت یا تائید

جو لوگ خطبہ کے غیر عربی میں ہونے کے قائل نہیں عاجز ہونے کے وقت وہ بھی قائل ہیں یعنی اگر عربی میں قائل نہ ہو تو غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے چنانچہ کچھ عبارتیں اوپر گذر چکی ہیں کچھ اور ملاحظہ ہوں۔

کشاف القناع میں ہے۔

(ولا تصح الخطبة بغير العربية مع القدرة) عليها بالعربية (كقراءة) فانها لا تجزئ بغير العربية وتقدم (وتصح) الخطبة بغير العربية (مع العجز) عنها بالعربية لان المقصود بها الوعظ والتذكير وحمد الله والصلوة على رسول الله صلى الله عليه وسلم بخلاف لفظ القرآن فانه دليل النبوة وعلامة الرسالة ولا يحصل بالعجمية (غير القراءة) فلا تجزئ بغير العربية لما تقدم (فان عجز عنها) اى عن القراءة (وجب بدلها) قياسا على الصلوة (كشاف القناع عن متن الاقناع للشيخ منصور بن ادريس الحنبلي جلد اول ص۳۳)

یعنی باوجود قدرت کے خطبہ غیر عربی میں صحیح نہیں جیسے قراءۃ القرآن (خطبہ میں) غیر عربی میں صحیح نہیں اور عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں خطبہ غیر عربی میں صحیح ہے کیونکہ خطبہ سے مقصود وعظ و نصیحت کرنا اللہ کی تعریف کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ بخلاف قرآن کے کہ وہ غیر عربی میں درست نہیں کیونکہ لفظ قرآن کے نبوت کی دلیل ہیں اور رسالت کی علامت ہیں۔ اور عربی زبان سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ پس قراءۃ غیر عربی میں کفائت نہیں کرے گی۔ پس اگر قرات سے عاجز ہوجائے تو اس کے عوض ذکر واجب ہوگا جیسے نماز میں قرات سے عاجز ہو جائے تو اس کے عوض میں ذکر واجب ہوتا ہے۔

شرح منتہی الارادات میں ہے۔

(وهى) اى الخطبة (بغير العربية) مع القدرة (كقراءة) فلا يجوز وتصح مع العجز غير القراءة فان عجز عنها وجب بدلها ذكر (شرح منتهى الارادات ص۲۹۵ للشيخ منصور بن يونس بهوتى الحنبلى جلد ۱)

یعنی عربی میں قدرت ہونے کی صورت میں غیر عربی میں خطبہ جائز نہیں جیسے قرأت جائز نہیں اور عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں خطبہ غیر عربی میں جائز ہے قرات جائز نہیں۔ قرات کے عوض ذکر واجب ہوگا۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ خطیب جب عربی پر قادر نہ ہو تو خطبہ غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے۔ اور

اس میں شک نہیں کہ آج کل عموماً خطیبوں کو اتنی لیاقت نہیں کہ عربی میں تقریر یا تحریر کر سکیں پس غیر عربی میں جائز ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ کسی کا بنا ہوا خطبہ یاد کر لیں یا دیکھ کر پڑھ لیں تو اس کی بابت عرض ہے کہ اگر کسی کا بنا ہوا یاد کر کے پڑھ لینا یا دیکھ کر پڑھ لینا درست ہے تو غیر عربی میں بطریق اولیٰ درست ہے کیونکہ دوسرے کا یاد کر کے سنانا یا دیکھ کر سنانا اس کی بابت تو خیر قرون میں نہ کسی کا عمل ثابت ہے نہ فتویٰ۔ اور غیر عربی میں پڑھنے کی بابت اگر عمل صراحۃً منقول نہیں ہوا تو فتویٰ تو ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید کافی وعظ ہے لیکن اوپر کی عبارتیں دلالت کرتی ہیں کہ عربی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں قرآن کے علاوہ باقی خطبہ غیر عربی میں جائز ہے۔ تو اس باقی خطبہ سے عام وعظ مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن خود عام وعظ ہے تو قرآن کے علاوہ غیر عربی میں جائز کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی پس اس سے مراد خاص وعظ ہوگا یعنی جہاں کوئی رہتا ہے اُن لوگوں میں جیسی کوئی خرابی دیکھتا ہے اُس کے موافق خطبہ کرتا ہے تاکہ اُن کی اصلاح ہو کر وہ خرابی دُور ہو جائے۔ اور ایسی خرابیاں بے شمار ہوتی ہیں اور حسب موقعہ اُن کی اصلاح کے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اس کے لئے لوگوں کے بارہ ماہ کے بنے ہوئے خطبے یا صرف قرآن پڑھنا کافی نہیں ہو سکتا پس جب قرآن کے علاوہ خطبہ میں خاص وعظ مراد ہے تو وہ عموماً خطیب ملکی زبان ہی میں کر سکتے ہیں تو غیر عربی میں خطبے سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ امام نووی شرح مسلم میں حدیث یقرأ القران ویذکر الناس میں لکھتے ہیں۔

فیہ دلیل للشافعی فی انہ یشترط فی الخطبۃ الوعظ والقراءۃ قال الشافعی لا یصح الخطبتان الا بحمد اللہ تعالیٰ والصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والوعظ وھذہ الثلاثۃ واجبات فی الخطبتین وتجب قراءۃ آیۃ من القران فی احدیھما علی الاصح ویجب الدعا للمومنین فی الثانیۃ علی الاصح (نووی شرح مسلم طبع مصر جلد ۲ ص ۲۸)

یعنی اس حدیث میں امام شافعی کی دلیل ہے کہ خطبہ میں وعظ اور قراءۃ قرآن شرط ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں خطبے الحمد للہ اور درود اور وعظ کے بغیر صحیح نہیں ہوتے اور یہ تینوں اشیاء دونوں خطبوں میں واجب ہیں اور ایک آیت دونوں خطبوں سے ایک میں واجب ہے (خواہ پہلے خطبہ میں پڑھ لے یعنی بیٹھنے سے پہلے یا دوسرے میں یعنی بیٹھ کر کھڑا ہونے کے بعد) امام شافعی کے اس قول سے بھی اس بات کی تائید ہو گئی کہ خطبہ میں وعظ الگ ہے قرآن مجید الگ ہے پس حسب موقعہ وعظ مراد ہوگا جو

عملی زبان ہی میں ہوسکتا ہے۔

تیسرا ثبوت یا تائید

یہ بات ظاہر ہے کہ خطبہ کا تعلق جیسے خطیب سے ہے ویسے ہی سامعین سے ہے۔ اگر بالفرض کوئی سننے والا نہ ہو تو خطبہ نہیں ہوگا۔ اِس پر سب کا اتفاق ہے کسی کو اس پر اختلاف نہیں جو عربی میں پڑھنے کے قائل ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ چنانچہ ان ہی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے جن کی عبارتیں اُوپر گذر چکی ہیں "مثلاً" ہم نے ایک دو کتابوں کی عبارت[1] حاشیہ میں نقل کردی ہے۔ پس جب خطیب عربی نہ جاننے کی صورت میں غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے تو سامعین کے ناواقف ہونے کی صورت میں بھی غیر عربی میں جائز ہونا چاہیئے مثلاً دو چار پائے سامنے بٹھا کر کوئی شخص خطبہ پڑھے تو یہ خطبہ نہیں کیونکہ چار پاؤں کے کانوں تک صرف آواز پہنچتی ہے سمجھتے نہیں۔ ٹھیک اسی طرح اس خطبہ کو سمجھ لینا چاہیئے جو بالکل عربی سے ناواقف لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۳ ذی القعدہ ۱۳۵۰ھ ۱۱ مارچ ۱۹۳۲ء

دو سوال اور اُن کا جواب

مولوی محمد علی صاحب ابوالمکارم ساکن متونا تھ بھجن ضلع اعظم گڑھ نے دو شبہ اور پیش کئے ہیں۔ ایک شبہ

---

[1] کشاف القناع میں تیسری شرط جمعہ میں ہے الثالث حضورا: بعین فا کثر من اهل القرية بالامام ولو كان بعضهم خرسا او صما لانهم من اهل الوجوب (ولا) تصح (ان كان الكل كذلك) اى خرسا او صما اما اذا كانوا كلهم خرسا مع الخطيب فلفوات الخطبة صورة ومعنى فيصلون ظهرا وان كانوا صما فلفوات المقصود من سماع الخطبة وعلم من ذالك انهم ان كانوا خرسا الا الخطيب او كانوا صما الا واحدا يسمع صحت جمعتهم (كشاف القناع جلد اول ص[illegible])

شرح منتہی الارادات میں ہے الثالث حضورهم اى الاربعين من اهل وجوبها الخطبة والصلوة (ولو كان فيهم خرسا) والخطيب ناطق (او) كان فيهم (صم) لوجود الشرط (لا كلهم) اى ان كانوا كلهم خرسا حتى الخطيب او كانوا كلهم صما لم تصح جمعتهم لفوات الخطبة صورة فى الاولى و فوات المقصود منها فى الثانية۔ شرح منتہی الارادات جلد اول ص[illegible]۔

یہ ہے انہوں نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالافتوٰی سے میری تشفّی نہیں ہوئی۔ میری تشفّی کی صورت یہ ہے کہ جو فتوٰی خود میں نے لکھ کر بذریعہ رجسٹری آپ کے پاس بھیجا ہے اس پر بحث کر کے بھیج دیں۔ اور ایک صورت تشفّی کی یہ ہے کہ آپ سابقین اہلِ حدیث سے اُردو خطبہ کا جواز ثابت فرمائیں۔ آخر جماعت اہلِ حدیث تو ایک زمانہ سے چلی آتی ہے لہٰذا آپ اس جماعت کے چند اشخاص کے نام تحریر فرمادیں اور ان سے اس مسئلہ کو ثابت فرمائیں۔ اگر سابقین اہلِ حدیث سے غیر عربی میں پڑھنا ثابت نہیں تو کیوں اُن کا قول قابلِ عمل نہیں۔ کیا اتباعِ سلف وخلف کوئی چیز نہیں۔

خاکسار سنہ ۱۲۹۸ھ سے لے کر سنہ ۱۲۹۹ھ تک کامل ڈیڑھ برس تک جناب میاں صاحب کی خدمت میں رہا۔ آپ کے صاحبزادے مولوی شریف حسین ہمیشہ خطبہ عربی میں پڑھا کرتے تھے اور اُس وقت تک کوئی جھگڑا اور اختلاف اس مسئلہ میں نہ تھا۔ خدا جانے کون اس کا موجب ہے۔ دہلی کے بزرگانِ دین جیسے جناب شاہ ولی اللہؒ و مولانا عبدالعزیزؒ۔ مولانا محمد اسماعیل وغیرہم سے بھی غیر عربی میں پڑھنا ثابت نہیں بلکہ مصفّٰی میں تو شاہ صاحب نے صاف تحریر فرمادیا ہے کہ اس کا پڑھنا عربی میں ہمیشہ سے مروّج ہے۔ اور ایسا ہی جناب نواب سیّد محمد صدیق نے بدورالاہلہ میں تحریر فرمایا ہے۔

سوالِ دوم۔ امام نووی اذکار صفحہ ۲۱۳ میں لکھتے ہیں:۔

باب نهی العالم وغیره ان یحدث الناس بما لا یفهمونه قال الله تعالٰی وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم۔

اور خطبہ جمعہ کی نسبت کتاب مذکور کے صفحہ میں لکھتے ہیں۔

ویشترط کونها بالعربیة۔

امام نوویؒ کے ان قولوں میں مطابقت کی کیا صورت ہے۔

جواب نمبر اوّل

عالمانہ اور منصفانہ بات تو یہ ہے کہ جس بات کی بابت سلف میں اختلاف ہو اُس کی بابت دلیل سے فیصلہ کیا جائے جو جانب دلیل کی رو سے راجح ہو چلے خواہ ائمہ مجتہدین سے کسی کا مذہب اس مسئلہ کی نسبت معلوم ہو یا نہ۔ اہلِ حدیث کا اصل مذہب یہی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں جمعہ فی القریٰ کی

بابت لکھتے ہیں

فلما اختلف الصحابۃ وجب الرجوع الی المرفوع

یعنی جب صحابہ کا اختلاف ہوا تو مرفوع کی طرف رجوع واجب ہوا

مگر آپ باوجود اس کے مصر ہیں کہ کسی اہل حدیث کا مذہب بتلائیں۔ سو لیجئے امام شافعی سرکردہ اہلحدیث ہیں ان کے مذہب میں ایک وجہ جواز غیر عربی کی بھی ہے اور میں نے اس فتویٰ میں لکھا تھا کہ دلیل کی رو سے راجح یہی ہے تو سامعین اہل حدیث سے بھی ثبوت بھی ہو گیا پھر تردد کے کیا معنی؟

رہے امام مالکؒ۔ امام احمدؒ۔ امام بخاریؒ اور دیگر محدثین تو اُن سے نہ جواز کا قول منقول ہے نہ عدم جواز کا بلکہ سکوت محض ہے پس غیر عربی میں پڑھنے کو اُن کے مخالفین کہہ سکتے ہیں یہ تو متقدمین اہل حدیث کا ذکر ہوا۔ اب متاخرین اہل حدیث لیجئے۔ جن کا زمانہ ہم سے زیادہ قریب ہے۔ امام شوکانی رح پھر نواب صدیق حسنؒ یہ دونوں بزرگ خطبہ ہی کو جمعہ کے لئے شرط نہیں کہتے چہ جائیکہ عربی ہونا شرط ہو ملاحظہ ہو دراری المضیئۃ اور روضۃ الندیۃ۔ حضرات مولانا نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کا اُن کی زندگی میں خطبہ عربی میں پڑھنا تو اُس وقت ذکر کرتے جب کوئی یہ کہتا کہ کسی نے عربی میں پڑھا ہی نہیں اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے جو آپ نے عمل مستمر نقل کیا ہے تو اول تو اس کی بابت اطمینان نہیں کیونکہ سلف میں جب اس کی بابت فتویٰ ہو چکا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ کسی نے عمل کی غرض سے فتویٰ پوچھا ہے چنانچہ اس کی تفصیل پہلے فتویٰ میں ہم نے کر دی ہے۔ دوسرے اگر عمل نہ ہوا ہو تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے نظائر موجود ہیں۔ اور اس کے وجوہات بھی معقول ہیں چنانچہ ان کا ذکر بھی فتویٰ میں کر دیا گیا ہے۔

جواب نمبر دوم

اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر سماع نہ ہو تو خطبہ نہیں مثلاً سارے بہرے ہوں تو اُس کو خطبہ نہیں کہہ سکتے جو عربی ہونے کی شرط کرتے ہیں وہ بھی اس کے قائل ہیں چنانچہ بعض عبارتیں ہم فتویٰ میں نقل کر چکے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سماع سے مقصود فہم ہے اگر فہم نہ ہو تو بھی خطبہ نہیں کہہ سکتے چنانچہ اس کا بیان بھی فتویٰ میں ہو چکا ہے۔ پس اب یہ تو بعید ہے کہ امام نوویؒ کے نزدیک خطبہ جمعہ میں فہم شرط نہ ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ امام نوویؒ کے خیال میں ایک آدھ کا فہم کافی ہو اور عموماً ایسے مجمع ایک آدھ سے خالی نہیں ہوتے۔ خاص کر

امام نووی شؒ کے زمانہ میں کیونکہ اُس وقت عجم کا زور تھا۔ اس بنا پر امام نوویؒ نے خیر قرون کی عملی حالت سے متاثر ہوتے ہوئے خطبہ جمعہ کے عربی ہونے کی شرط کر دی لیکن ہم نے اپنے فتویٰ میں لکھ دیا ہے کہ خیر قرون کی عملی حالت میں شبہ ہو کیونکہ جب فتویٰ ہو چکا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ فتویٰ عمل کی غرض سے پوچھا گیا ہے چنانچہ فتویٰ میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔ دوسرے اس عمل کے کئی ایک وجوہات بھی ہیں اور اس کے نظائر بھی ہیں پس ایسی حالت میں عمل سے شرطیت پر استدلال صحیح نہیں اس کی بھی بقدر ضرورت فتویٰ میں تفصیل ہو چکی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

خطبہ جمعہ کی اذان کی جگہ

سوال:۔ کیا خطبہ جمعہ کی اذان خطیب کے سامنے کہنی چاہیئے۔

جواب:۔ اذان سے مقصود اعلان ہے خواہ پہلی ہو یا خطبہ کی پس جو جگہ اعلان کے لئے زیادہ مناسب ہے وہاں ہونی چاہیے۔ اگر امام کے سامنے موزوں جگہ ہو تو سامنے دی جائے ورنہ کوئی اور جگہ موزوں دیکھ لی جائے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر خواہ دائیں طرف ہو یا بائیں طرف۔ مسجد نبوی میں سامنے موزوں جگہ تھی۔ اس لئے سامنے ہوتی تھی جگہ کی تعیین کو اذان میں داخل کرنا اذان کی منشاء کے خلاف ہے۔ اس طرح کوئی کہنے والا کہہ دیگا کہ تم نے امام کے سامنے ہونے کی شرط کی ہے ہم یہ شرط کرتے ہیں کہ مسجد کے دروازہ پر ہو۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ میں مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔ اگر مسجد کا دروازہ سامنے نہ ہو تو اس صورت میں مشکل پڑے گی۔ ایک اور اُٹھے گا اور کہے گا کہ منارہ پر ہونی چاہئے کیونکہ امام مالکؒ سے روایت ہے۔

انه فى زمنه صلى الله عليه وسلم لم يكن بين يديه بل على المنار۔

یعنی آپ کے زمانہ میں اذان آپ کے سامنے نہ تھی بلکہ منارہ پر تھی۔

امام مالکؒ کی مُراد سامنے کی نفی کرنے سے یہ ہے کہ مسجد کے اندر نہ تھی جو عام طور پر نماز پڑھنے کی جگہ ہے ورنہ دوسری روایتوں میں سامنے ہونے کی تصریح ہے تو حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کا دروازہ سامنے تھا۔ اور وہیں منار تھا۔ اس پر اذان ہوتی تھی تو اب کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اذان کے لئے یہ تینوں شرائط ضروری ہیں سامنے بھی ہو۔ دروازہ پر بھی اور منار پر بھی ہو۔ ایک اور اُٹھے گا وہ اس سے بھی زیادہ

تنگی کرنا ہوا کہہ دے گا کہ ان باتوں کے ساتھ یہ بھی ایک شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منبر سے جتنے فاصلے پر اذان ہوتی تھی اتنے ہی فاصلہ پر اب ہونی چاہیئے۔ مثلاً منبر ایسی جگہ بچھایا جائے کہ فاصلہ اس سے کم و بیش نہ ہو بلکہ کوئی منار کی بلندی کے اندازہ کی بھی پابندی کرنے لگ جائے گا۔

غرض اس طرح سے خصوصیتیں پیدا کرنی شروع کردیں تو احکام میں بہت تنگی ہو جائے گی بلکہ ان پر عمل بھی ناممکن ہو جائے گا۔ اِس لئے ضروری ہے کہ ہر حکم کے حسبِ حال کوئی خصوصیت ہو۔ اذان سے مقصود جب اعلان ہے تو خصوصیت کی جگہ کس طرح سمجھ لی جائے۔ ہاں سجدہ کے متعلقات جگہ میں ہونی ضروری ہے تاکہ لوگ اِس طرف آئیں۔ اور اونچی جگہ بھی اس کے حسبِ حال ہے کیونکہ آواز دُور ہو جاتی ہے اسی بنا پر امام ابن الحاج کی مدخل میں لکھتے ہیں۔

ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار۔

یعنی مسنون طریق اذان جمعہ میں یہ ہے کہ جب امام منبر پر چڑھے تو مؤذن منار پر ہو۔

اِس عبارت میں دو خصوصیتیں ذکر کی ہیں۔ ایک منار پر ہونا ایک امام کے منبر کے چڑھنے کے وقت ہونا اِس طرح مؤذن کا بلند آواز ہونا یا خوش آواز ہونا وغیرہ۔ اس قسم کی تمام خصوصیات اذان کے حسبِ حال ہیں۔ اگرچہ واجبات نہیں مگر کسی نہ کسی طریق سے اذان کے لئے مفید شے ہیں لیکن امام کے سامنے ہونا اور دروازہ پر ہونا یا دائیں بائیں ہونا یا اتنے فاصلہ پر ہونا یا اندر ہونا یہ تو کوئی ایسی اشیاء نہیں جو اذان کے حسبِ حال ہوں تو پھر کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ شرع میں معتبر نہیں۔ دیکھئے حج خاص کر مواضع سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ اس میں ہوتا ہی یہ ہے کہ کسی جگہ گذرنا اور کسی جگہ ٹھہرنا۔ کسی جگہ دوڑنا۔ کسی جگہ چکر کاٹنا کسی جگہ کچھ پڑھنا وغیرہ۔ اس میں اپنے وطن کو واپسی کے وقت محصب[1] وغیرہ کے نزول میں صحابہؓ کا اختلاف ہے تو اذان وغیرہ جس کو جگہ سے تعلق نہیں کسی طرح فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اندر ہے یا باہر آگے ہے یا دائیں بائیں وغیرہ و لہٰذا اوقات عمارت کی رو سے ایک جگہ موزوں ہوتی ہے دوسری جگہ میں دوسری۔ پس صرف مسجد نبوی میں سامنے ہونے سے یہ مراد

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت منیٰ کے پاس مقام محصب (جس کو ابطح وغیرہ بھی کہتے ہیں) میں اترے تھے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کو مدینہ کی طرف لوٹنے میں آسانی تھی اس لئے وہاں اترے تھے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں اس میں اترنا سنت ہے (مشکوٰۃ باب الخطبہ یوم النحر)

لینا کر سب جگہ ایسا ہی چاہیئے ڈبل غلطی ہے اور اسرارِ حکم شرعیہ سے کوسوں دور ہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

۱۹ جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ ۹ دسمبر ۱۹۶۰ء

علماء کی تقاریر ٹیپ ریکارڈ کرنا

سوال :۔ آج کل ایک مشین کے ذریعہ علماء کرام کی تقاریر ٹیپ ریکارڈ کی جاتی ہیں۔ پھر یہ ٹیپ شدہ تقاریر علماء کی موجودگی میں یا بعد وفات عام کو سنائی جاتی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ ناجائز بلکہ شرک ہے اور گانے بجانے کے مشابہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ تقریر کو ٹیپ ریکارڈ کرنا اور پھر آگے لوگوں کو سنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔؟

جواب :۔ شرک کفر والی اس میں کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ رہا جواز عدم جواز اس میں بھی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ نیک چیز کا کسی آلہ کے ذریعہ ٹیپ ریکارڈ کر کے آگے پہنچانا بظاہر یہ اچھی چیز ہے اگر اس آلہ کو نیکی میں استعمال کیا جائے تو پھر اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں مگر چونکہ وہ آلہ برے ریکارڈ کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق کچھ تردد رہتا ہے۔ ہاں قرآن و سنت کے مطابق تقریر کو ٹیپ ریکارڈ کر کے لوگوں کو سنانا مفید اور اچھا ہے۔ اس کو منع کہنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ سردست اس مسئلہ پر اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ حالات کے تحت تفصیل پھر کسی موقع پر خدا کو منظور ہوا تو ہو جائے گی۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

سجدہ تلاوت

سوال :۔ سجدہ تلاوت اللہ اکبر کہہ کر کرنا چاہیئے۔ نیز سجدہ کے بعد سلام پھیرنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب :۔ اسی باب میں ہے کہ سجدہ جاتے وقت اللہ اکبر کہنے کا ذکر ہے لیکن اٹھتے وقت اللہ اکبر کہہ کر سر اٹھانا مجھے کسی روایت میں یاد نہیں مگر جاتے وقت اللہ اکبر کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھتے وقت بھی کہنا چاہیئے۔ کیونکہ نماز کے سجدہ میں اس طرح ہے۔ باقی سلام پھیرنا کسی روایت میں نہیں آیا۔

جو لوگ (حنفیہ وغیرہ) سجدہ کو نماز کا جزو رکن سمجھ کر اس کا حکم نماز کا سمجھتے ہیں جیسے سجدہ تلاوت باوضو ہو کر

کرنا قبلہ رُخ ہونا تو اُن کے نزدیک سلام بھی پھیرنا چاہیئے۔
لیکن میرے نزدیک احتیاط اسی میں ہے کہ سلام پھیر لیا جائے تو اچھا ہے اور وضو کر لینا بھی بہتر ہے تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۳ اگست ۱۹۶۳ء

سوال:۔ سجدہ تلاوت میں کونسی دعا پڑھی جائے؟

محمد الیاس مرحنیہ دھونی والا تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری

جواب:۔ سجدہ تلاوت کی دعا:

(۱) سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ

یعنی میرے چہرہ نے اُس ذات کے لئے سجدہ کیا۔ جس نے اس کو پیدا کیا اور اس میں کان، آنکھ اپنی قدرت اور تصرف سے پیدا کئے۔

(۲) اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا اَجْرًا وَحُطَّ عَنِّي بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

یعنی اے اللہ میرے لئے اس کے عوض اجر لکھ اور اس کے سبب میرے گناہ معاف کردے اور اس کو مجھ سے قبول کر جیسا کہ تو نے اس کو داؤد علیہ السلام سے قبول فرمایا۔

اس کے علاوہ جو عام سجدہ میں دعائیں، تسبیحات وغیرہ پڑھی جاتی ہیں وہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۳ اگست ۱۹۶۳ء

سُورج گرہن، چاند گرہن کی نماز کا بیان

گرہن کس طرح لگتا ہے

سوال:۔ چاند کو جو گرہن لگتا ہے، اکثر کہتے ہیں کہ برج کی آڑ میں آجاتا ہے اور جو چیز آڑ میں آجاتی ہے وہ نظر نہیں آتی۔ چاند یا سورج اگر آڑ میں آجاتا ہے نظر آتا رہتا ہے اس کے متعلق کیا تحقیقات ہے؟

صدرالدین امام مسجد جھگیاں شیخ ڈاکخانہ منڈی وار برٹن ضلع شیخوپورہ

جواب:۔ قدیم فلاسفر کا یہی خیال ہے کہ ایک ستارہ دوسرے ستارہ کے سامنے آنے سے گرہن لگتا ہے اور برج بھی ایک قسم کا ستارہ ہے چونکہ صاف شفاف ہوتا ہے اس لئے سامنے آنے سے نور میں فرق پڑتا ہے۔ نشان بدستور نظر آتا ہے۔ یہ قدیم فلاسفر کا خیال ہے۔ اور ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اس کے لئے ایک حساب اور اندازہ مقرر ہے۔ حقیقت حال خدا کو معلوم ہے۔

وفاء الوفاء الی دار المصطفی میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے جب منبر نبوی شام میں لے جانا چاہا تو سورج کو گرہن لگ گیا۔ اس لئے رُک گئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حساب کے ساتھ ضروری نہیں بلکہ آگے پیچھے بھی ہو جاتا ہے۔ حدیث میں صرف اتنا آیا ہے کہ سورج، چاند خدا کی نشانیوں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی حیات و موت سے گرہن نہیں ہوتیں۔ لیکن خدا اپنے بندوں کو ان کے ساتھ ڈراتا ہے۔ سو ہمیں اتنا ہی ایمان رکھنا چاہیئے اگر فلاسفر کا خیال صحیح ہو تو یہ نشانی ہونے کے منافی نہیں کیونکہ جو ظاہری اسباب کے تحت علم طبعی یا سائنس کے موافق ہو رہا ہے وہ بھی قدرت الٰہی کے نشانات ہیں۔ مثلاً رات اور دن، سورج چاند، آسمان و زمین وغیرہ جو کچھ ہے نشانات ہیں۔ حیات جو خوشی کا باعث ہے۔ اور موت جو ڈر کی شے ہے یہ بھی نشانات ہیں ؎

وفی کل شئ لہ ایۃ　　　تدل علی انہ واحد

یعنی ہر ایک چیز میں نشانی ہے جو توحید الٰہی کی دلیل ہے

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ　۲۳ اگست ۱۹۳۵ء

صلوٰۃ کسوف میں رکوع کی تعداد

سوال:۔ صلوٰۃ کسوف (گرہن کی نماز) کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک میں ایک ہی دفعہ اتفاق پڑا۔ مگر اس کے متعلق احادیث مختلف ہیں۔ کسی میں چار رکوع کسی میں دو کسی میں تین رکوع آتے ہیں۔ ان کی تطبیق کیسے ہو سکتی ہے۔

(ابو اسحٰق دیرو وال افغانان ضلع امرتسر)

جواب:۔ کسوف کی بابت تین طرح سے موافقت کرتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ کسوف کئی دفعہ ہوا ہے۔ چنانچہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ دُوسری صورت ترجیح کی ہے۔ یعنی متفق علیہ روایت پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ مقابلہ کے وقت متفق علیہ روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔ جیسے حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں لکھا ہے۔ متفق علیہ روایت میں دو رکوع کا بیان ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دنیا واقعہ تھا لوگ سُن سُن کر یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ جس نے دو رکوع پائے اُس نے دو ذکر دیئے۔ جس نے تین پائے اُس نے تین ذکر کر دیے جو ابتداء میں شامل ہوا۔ اُس نے پانچ رکوع ذکر کئے ایک رکوع صراحۃً کسی نے ذکر نہیں کیا۔ یا تو ایک رکوع پانے کا اتفاق نہیں ہوا یا ہوا لیکن اس سے آگے روایت کا اتفاق نہیں ہوا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۰ صفر ۱۳۵۵ھ ۲۳ اپریل ۱۹۳۶ء

صلوٰۃ تسبیح

سوال:۔ کیا صلوٰۃ تسبیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا خیر قرون سے کوئی اثر ملتا ہے اگر کوئی با جماعت ادا کرتا ہے تو وہ بدعتی ہے؟ اور جو با جماعت جواز کے قائل ہیں ان کے دلائل کو بھی ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمائیں۔

حافظ عبدالغفور

مدرس مدرسہ دارالحدیث جامع اہل حدیث جہلم

جواب:۔ صلوٰۃ تسبیح کے متعلق مشکوٰۃ وغیرہ میں ضعیف حدیث آئی ہے۔ اور ضعیف حدیث کے متعلق محدثین امام احمدؒ وغیرہ کا فیصلہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔ حلال وحرام میں اس کا اعتبار نہیں چونکہ تسبیح نماز کچھ فضائل اعمال کی قسم سے ہے۔ اس لئے اس پر عمل جائز ہے لیکن اس کا اہتمام کرنا یہاں تک کہ جماعت سے ادا کرنا اور جماعت کی طرف دعوت دینا یہ بدعت ہے جو عمل جس حالت پر آئے تو اس سے اس کا مرتبہ بڑھانا نہیں چاہیئے۔ اس کے علاوہ جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں ان کی گنتی تنہا پڑھنے میں ہوتی ہے۔ جماعت کے ساتھ پڑھنے میں کمی بیشی ہونے کا ہر وقت کھٹکا رہتا ہے۔ مسنون طریقہ تسبیحات کا آہستہ کہنا ہے۔ چنانچہ ہر نماز میں آہستہ کہی جاتی ہیں۔ اس صورت میں امام کو کیا پتہ کہ میری تسبیحات

کے ساتھ مقتدیوں کی تسبیحات پوری ہو گئی ہیں۔ اور پھر مقتدیوں میں بھی کوئی جلدی پڑھنے والا ہوتا ہے۔ کوئی آہستہ کسی کی زبان موٹی ہوتی ہے۔ وہ بہت دیر میں پوری کرتا ہے بلکہ اس صورت میں جہر ہو تب بھی حساب پورا ہونا مشکل ہے۔ خاص کر جو لوگ امام سے دُور ہیں۔ جہاں آواز پہنچنی مشکل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز تسبیح میں جماعت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ فقط

عبداللہ امرتسری روپڑی ۳۰ صفر ۱۳۸۳ھ ۲۲ جولائی ۱۹۶۳ء

نمازِ عیدین کا بیان

عورتوں کا عیدگاہ میں جانا

سوال :۔ کیا عورتوں کا عیدگاہ میں جانا ضروری ہے ؟

جواب :۔ اُمّ عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم دیا گیا کہ حیض والیوں، پردہ والیوں کو بھی عیدین میں نکالیں تاکہ مسلمانوں کی دُعاء اور جماعت میں شامل ہو جائیں۔ لیکن حائضہ عورت نماز کی جگہ سے الگ رہے۔ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ! بعض دفعہ ہم سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی تو فرمایا اس کی سہیلی اپنی چادر سے اُس کو پہنا دے (مشکوٰۃ)

اس سے ظاہر ہے کہ عورتیں ضرور عیدین میں پردے کے ساتھ شامل ہوں لیکن خوشبو وغیرہ نہ لگائیں، اور زینت بھی ظاہر نہ کریں۔ یہ سنّت بھی متروک ہے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

نماز کا خطبہ سے پہلے ہونا اور منبر کا عیدگاہ میں نہ ہونا

سوال :۔ خطبہ سے پہلے نماز پڑھنی چاہیئے یا خطبہ کے بعد اور عیدگاہ میں منبر لے جانا کیسا ہے۔ ؟

جواب :۔ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید اضحیٰ اور عید فطر میں نکلتے۔ پہلے نماز پڑھتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور لوگ اپنی اپنی نماز کی جگہ بیٹھے ہوتے۔ اگر کسی لشکر بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو بھیج دیتے یا کوئی اور حاجت ہوتی تو اس کا حکم دیتے اور کہتے صدقہ کرو، صدقہ کرو، صدقہ کرو